امت مسلمہ کے مختلف فرقے

از قلم: مکرم ملک سیف الرحمان صاحب (مرحوم)

مختلف فرقوں کے نظریات کا تاریخی جائزہ پیش کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ آئندہ صفحات میں جو کچھ کسی فرقہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہو اور کسی جگہ بھی تعصب یا شنید یا تساہل سے کام نہ لیا جائے۔ ہر فرقہ کے بارہ میں وہی کچھ لکھا جائے جسے وہ فرقہ مانتا ہے لیکن تاریخی حقیقت کے لحاظ سے یہ حتمی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کوشش پوری طرح کامیاب بھی رہی ہے کیونکہ تاریخ مختلف ادوار میں سے گزرنے اور گردوپیش سے متاثر ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک حجاب اکبر بھی ثابت ہوتی ہے اس لئے کسی حقیقت کے کئی پہلوؤں کا تشنہ وضاحت رہ جانا عین ممکن ہے اور کئی واقعات کی اصلیت سیاق وسباق سے کٹ جانے کی وجہ سے مشتبہ ہو سکتی ہے۔

بہرحال یہ نظریاتی جائزہ اس حسن ظن کی بنیاد پر پیش کیا جا رہا ہے کہ جن سابقہ بزرگوں نے اس موضوع پر لکھا ہے وہ اپنی جلالت شان اور عظمت علم کے لحاظ سے ہر قسم کے تعصب اور جانبداری سے پاک اور اظہار حقیقت کے لئے بڑے جری اور صادق القول مانے جاتے ہیں اور ان کی ثقاہت کا انکار مشکل ہے تاہم اگر کسی فرد یا فرقہ کو اس بارہ میں اختلاف ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ کسی جگہ بیان کردہ حقائق میں جھول یا غلطی ہے تو نشان دہی کرنے پر ''اصلاح'' میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا جائے گا۔ و باللّٰہ التوفیق۔

☆......☆......☆

اہل سنت والجماعت کے علاوہ باقی فرقوں کو علی الاجمال دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

☆ سیاست کی بنیاد پر فرقے جیسے شیعہ اور خوارج وغیرہ

☆ عقائد اور نظریات کی بنیاد پر فرقے جیسے معتزلہ اور مرجئہ وغیرہ

تاریخی لحاظ سے شیعہ فرقہ سب سے پرانا ہے اس کے بعد خوارج کا نمبر آتا ہے اس کے بعد معتزلہ اور مرجئہ کا۔ زنادقہ بحیثیت فرقہ کافی عرصہ بعد نمایاں ہوئے اور مذکورہ بالا فرقوں میں گڈمڈ ہوتے رہے۔ وہ صوفیہ جو حلول اور اباحت کے قائل ہیں ان کا شمار بھی بحیثیت فرقہ اہل السنّت سے الگ ہوتا ہے جیسے حلاجیہ جو مشہور صوفی منصور حلاج کے پیرو تھے۔

اس کے بعد ہر بڑا فرقہ کئی ضمنی فرقوں میں بٹ گیا لیکن ان میں سے اکثر کی حیثیت برائے نام تھی۔

☆......☆......☆

فرقہ پرستی اور تحزب کا مضحکہ خیز انداز

بعض اوقات بڑے مضحکہ خیز طریقے سے فرقہ بندی کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً دو شخص تھے ایک کا نام شعیب تھا اور دوسرے کا میمون۔ میمون نے شعیب سے کچھ رقم قرض لی۔ ایک مدت کے بعد شعیب نے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا تو میمون نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو ادا کر دوں گا۔ شعیب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اس کا حکم ہے کہ قرض حسب وعدہ ادا کیا جائے۔ اس پر میمون نے جواب دیا کہ اگر اللہ چاہتا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ میں قرض ادا نہ کر چکا ہوتا۔ اللہ کی مشیت تو پوری ہو کر رہتی ہے۔ آخر یہ بحث اتنی بڑھی کہ دو فرقے پیدا ہو گئے۔ جو شعیب کی حمایت کر رہے تھے وہ شعیبیہ کہلائے اور جو میمون کے طرف دار تھے وہ میمونیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ دونوں خوارج سے تعلق رکھنے والے فرقے ہیں۔ اس طرح ایک فرقہ سے کئی نئے فرقے بنتے چلے گئے۔ شیعہ، خوارج اور معتزلہ کے کئی فرقے صرف کتابوں میں رہ گئے ہیں اور اب بحیثیت فرقہ ان کا نام و نشان تک نہیں ملتا البتہ ان کے کئی نظریات وخیالات کم وبیش کسی نہ کسی موجودہ فرقہ میں دیکھے اور سونگھے جا سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

مختلف فرقوں کا تفصیلی جائزہ

اہل تشیع

سب سے پہلے ہم شیعہ اور اس کے مختلف فرقوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

شیعہ کے معنے : شیعہ کے معنے ساتھ دینے والے، مدد کرنے والے پیرو کے ہیں۔ چنانچہ شیعة الرجل کے معنے ہونگے 'اتباع الرجل و انصاره' یعنی کسی شخص کے پیرو اور پیچھے چلنے والے مددگار۔ یہ لفظ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ دو جگہ مددگار اور ساتھی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سورہ القصص میں ہے ﴿ وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ (القصص:١٦)۔ یعنی ایک دن موسیٰ شہر میں ایسے وقت آیا جبکہ شہر والے بے خبر پڑے آرام کر رہے تھے تو اس نے وہاں دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں ایک اس کے حامیوں کے گروہ میں سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے۔ جو اس کے حامیوں کے گروہ میں سے تھا اس نے زیادتی کرنے والے دشمن کے خلاف موسیٰ سے مدد چاہی۔

دوسری جگہ سورہ الصافات کی آیت ۸۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ ان من شیعته لابراهیم ﴾ کہ نوحؑ کی پیروی کرنے والی جماعت میں ابراہیم بھی شامل تھا۔

اصطلاح میں شیعہ مسلمانوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جس کی تعریف یہ ہے کہ " کل من فضل علیا علی الصحابة کلهم و اعتقد انه احق بامامة المسلمین و خلافتهم" شیعہ وہ ہے جو حضرت علیؓ کو تمام صحابہ سے افضل مانتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ امام المومنین اور خلیفۃ المسلمین بننے کے سب سے اول اور سب سے زیادہ حقدار علی ہیں۔ تمام شیعہ بلحاظ مفہوم اس تعریف پر متفق ہیں۔ شیعہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا اور اہم فرقہ ہے۔ اگر غلو پسند شیعہ فرقوں کو الگ رکھا جائے تو اعتدال پسند شیعوں کے اختلاف کی حیثیت قریباً قریباً وہی ہے جو اہل السنّت والجماعت کے آپس میں باہمی اختلاف کی ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ، قادریہ اور سہروردیہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کا آپس میں جس طرح کا اختلاف ہے اسی طرح کا اختلاف اعتدال پسند شیعوں کا مذکورہ بالا فرقوں سے ہے۔ عقائد کے لحاظ سے بھی اور فقہی احکام کے اعتبار سے بھی کیونکہ ان سب فرقوں کی بنیاد ایک ہی ہے۔ یہ سب فرقے قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کو اپنے اپنے مسلک کی بنیاد اور ماٴخذ تسلیم کرتے ہیں اور سب کا دعویٰ یہی ہے کہ جو کچھ وہ مانتے ہیں وہ قرآن وسنت سے ماخوذ اور مستنبط ہے۔

حضرت علی کرم الله وجهه اور ان کا مقام

حضرت علی رضی اللہ عنہ ۶۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ آنحضرت ﷺ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ جب حضورؐ مبعوث ہوئے اور آپ نے ماموریت کا دعویٰ کیا اس وقت حضرت علیؓ کی عمر دس سال تھی۔ چونکہ حضرت ابوطالب کے مالی حالات اچھے نہ تھے، عیالداری زیادہ تھی نیز حضرت ابوطالب نے بچپن میں آنحضرت ﷺ کی پرورش بڑے پیار اور بہت عمدہ طریق سے کی تھی اس لئے حضورؐ نے علیؓ کو اپنی تربیت میں لے لیا تا کہ اگر ایک طرف ابوطالب کا کچھ بوجھ ہلکا ہو تو دوسری طرف ان کے احسان کا بدلہ بھی چکایا جاسکے۔ بہر حال علی آنحضرت ﷺ کی زیر نگرانی اور آپ کی شفقت اور محبت کے سایہ میں پھلے پھولے۔ حضورؐ مثل بیٹوں کے آپ سے پیار اور ہر طرح کی دلداری کرتے تھے۔

حضرت علیؓ بجائے خود بڑے بہادر، حوصلہ مند، ایثار مجسم، عابد وزاہد، قناعت پسند اور مسلمہ روحانی بزرگ تھے۔ کوئی حرص، کوئی لالچ آپ کے دل میں نہ تھا۔ دینی علوم میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ تمام صحابہؓ آپ کی دینی وجاہت اور علمی قابلیت کے معترف تھے اور سب دل سے آپ کا احترام کرتے اور آپ کی اس عظمت کے قائل تھے۔

حضرت علیؓ کی یہ وہ خوبیاں ہیں جن کو تمام مسلمان کیا سنی اور کیا شیعہ سب تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت علی کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند تھا اور اس وجہ سے آپ کو آنحضرت ﷺ کا خلیفہ بلافصل مانتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی ان فضیلتوں کی تفاصیل جو شیعہ حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں یہ ہیں:

استحقاق خلافت و امامت بلا فصل

اہل تشیع کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے بعد ان کی اولاد خلافت بلافصل اور دینی قیادت کی زیادہ حقدار ہے اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہات شیعہ حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ کان علی اول الاسلام۔ حضرت علیؓ اس لحاظ سے پہلے مسلمان ہیں کہ مردوں میں سے سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا جبکہ آپ کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ عورتوں میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون حضرت خدیجہ تھیں۔ نیز علیؓ نے کبھی بتوں کی عبادت نہیں کی اور یہ امتیاز کسی اور صحابی کو حاصل نہیں۔

۲۔ کان علی اقرب الناس الی رسول اللہؐ۔ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ سے رشتہ میں قریب تر اور آپ کے وارث تھے کیونکہ حضرت علی آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضور نے بچپن سے ہی انہیں اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ بڑے پیار ومحبت سے ان کی تربیت کی۔ انہیں اپنا ربیب بنایا۔ اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ ان کو بیاہ دی اور اسی ذریعہ سے آپ کی نسل آگے چلی۔ گویا مسلمانوں میں حضورؐ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار حضرت علیؓ تھے اس لئے وہ آپ کی نیابت کے زیادہ حقدار ہیں۔

۳۔ کا ن علی اخا النبی ﷺ بالمؤاخاۃ الدینیہ۔جب حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں میں مؤاخات کی تحریک جاری کی تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا دینی بھائی بنایا۔(تاریخ شیعہ، صفحہ ۱۸۔ تاریخ الفرق الاسلامیہ صفحہ ۳۳، جبکہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ نے علی اور سہیل بن حنیف کے مابین مؤاخات کرائی تھی۔ طبقات جلد ۳ صفحہ ۲۳)۔

۴۔ کان علی خلیفتہ علی ودائعہ۔ہجرت کے وقت آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے اپنے نائب کے طور پر چھوڑا تاکہ علیؓ وہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچائیں جوانہوں نے حضور ﷺ کے پاس رکھوائی ہوئی تھیں۔

۵۔ کان علی خلیفتہ فی اھلہ۔ حضرت علیؓ حضور کے گھریلو معاملات کے نگران اور ذمہ دار تھے۔اوراس لحاظ سے ایک گونہ آپ کے نائب تھے۔

۶۔ کان علی لرسول اللہؐ بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔یعنی جو مقام حضرت موسیٰ کی نسبت سے ہارون کا تھا۔وہ مقام حضورؐ کی نسبت سے حضرت علیؓ کا تھا۔

۷۔ کان علی باب مدینۃ العلم۔یعنی آنحضرت ﷺ نے آپ کے حق میں فرمایا’’ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا‘‘ گویا حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے روحانی علوم کا حامل قرار دیا جس میں یہ اشارہ تھا کہ آئندہ علوم نبوت حضرت علیؓ کے واسطہ سے لوگوں تک پہنچیں گے اور یہ فیضان الٰہی ان کے ذریعہ جاری ہوگا۔

۸۔کا ن علی ازھد الصحابہ۔یعنی حضرت علیؓ بڑے عابد، زاہد، قناعت پسند اور عدل وانصاف کے دلدادہ تھے۔

۹۔ کان علی اعلم الصحابہ۔ یعنی حضرت علیؓ روحانی علوم میں سب صحابہ سے آگے تھے اور قیادت دینی اور امامت کے لئے علمی فوقیت اصل معیار ہے۔

۱۰۔کان علی صاحب لواء النبی ﷺ۔یعنی خیبر کی جنگ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دیا اور کہا علی وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو پیارا ہے۔چنانچہ آپ کی قیادت میں خیبر کا ایک بڑا مضبوط قلعہ سر ہوا۔

۱۱۔ کان علی من آل النبی ﷺ۔یعنی حضور نے آیت تطہیر کے نزول کے وقت حضرت علی کو اپنی آل میں شامل فرمایا تھا اور آپ کی آل میں سے ہونا ایک ایسا اعزاز ہے جو کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔

(آیت تطہیر کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ اس میں ازواج مطہرات بدرجہ اولیٰ شامل ہیں اور اگر مذکورہ بالا روایات انہیں الفاظ میں مستند اور صحیح ہے تو اس کے سوائے اس کے اور کوئی معنے نہیں کہ حضورؐ نے اس طرح اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور دعا کی تھی کہ یہ لوگ بھی ان برکات کے حامل ہوں جو آیت تطہیر میں گنوائی گئی ہیں۔نیز حدیث ’کل تقی فھو آلی‘ بھی قابل غور ہے۔(اخرجہ الطبرانی نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۸۵)۔

۱۲۔ کان علی وصی النبی ﷺ۔یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد علیؓ میرے خلیفہ اور نائب ہونگے۔نیز خم غدیر کے موقع پر حضرت علیؓ کے بارہ میں فرمایا’’من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ‘‘ کہ جس کا میں مولا اور دوست ہوں علی بھی اس کے مولا اور دوست ہیں۔اے اللہ جو علی سے محبت رکھے اور اس کا بھلا چاہے تو بھی اس سے محبت رکھ اور اسے برکات عطا کر اور جو علی سے دشمنی رکھے،اس کا برا چاہے تو بھی اس سے دشمنی رکھ اور اسے ہر قسم کی برکات سے محروم کردے۔

۱۳۔ کان علی وصی اللہ تعالیٰ شانہ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ اعلان کردیں کہ ان کے بعد علی خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہونگے۔یہ وصیت قرآن کریم کے ساتھ ایک صحیفہ کی شکل میں نازل ہوئی تھی۔اور آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو لوگوں تک پہنچانے کے پابند تھے۔چنانچہ آیت کریمہ ﴿ یٰٓاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ ﴾ (المائدہ:۶۸) میں اسی آسمانی وصیت کی تبلیغ کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت علیؓ کے حق میں وصیت والی روایتوں پر اھل السنت والجماعت کا تبصرہ

مذکورہ بالا وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت بلافصل کو بالصراحت ثابت نہیں کرتی سوائے آخری دو وجوہات کے کہ اگر یہ دونوں وجوہات ثابت ہوں تو یہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کی زبردست دلیل ہیں لیکن ان دو وجوہات کا اور اس قسم کی کسی وصیت کا نہ کوئی قطعی اور مستند تاریخی ثبوت ہے اور نہ کوئی دینیاتی، بلکہ وصیت کا نظریہ بہت بعد کی پیداوار ہے اور اس کا موجد جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے عبداللہ بن السوداء یہودی الاصل ہے جس نے حضرت علیؓ کی خلافت کے آخری دور میں یہ چرچا کیا کہ اس نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اس لئے آنحضرت کے وصی علیؓ ہیں اور جس طرح آنحضرتؐ خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح علیؓ بھی خاتم الاوصیاء ہیں۔(الفرق بین الفرق صفحہ ۱۷۸)

بہرحال نظریہ وصیت کے غلط ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حضرت علیؓ اور ان کی فاطمی اولاد کے حق میں وصیت ہوتی اور امت کو اپنا

امام بذریعہ شوریٰ منتخب کرنے کا حق نہ ہوتا تو صحابہؓ کبھی بھی آنحضرت ﷺ کے اس صریح حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ کیونکہ صحابہ کی اطاعت ان کی آنحضرت ﷺ سے وفا اور محبت تاریخ کا ایسا واقعہ ہے جس کی تائید خود قرآن کریم کرتا ہے اور تاریخ کا کوئی منصف مزاج مؤرخ اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم نے صحابہؓ کی اس فرمانبرداری اور فدائیت کا سرٹیفکیٹ کئی جگہ دیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانیوں کو بنظر احسان دیکھا، ان کو قبول کیا اور ان سے راضی ہو گیا۔ چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کی بیعت رضوان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ اس وقت مومنوں سے بالکل خوش ہو گیا اور راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کررہے تھے۔ اور اس نے ان کے دلوں کے ایمان کو خوب جان لیا ہے اس کے نتیجہ میں اس نے ان پر سکینت اور اطمینان نازل کیا اور قریب آنے والی انہیں فتح بخشی (سورہ الفتح:۱۹)۔

پھر فرمایا: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ جو کامل اطاعت اور پورے خلوص سے ان کے پیچھے چلے (جن کو تابعین کہا جاتا ہے) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (توبہ:۱۰۰)

پھر فرمایا: محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ) وہ معاند منکروں کے خلاف بڑا جوش رکھتے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے بہت ملاطفت اور محبت کا سلوک کرتے ہیں جب تو انہیں دیکھے گا تو رکوع کرنے والا اور سجدہ کرنے والا پائے گا (یعنی ہر قسم کے شرک سے پاک صرف اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا اور اسی کی عبادت کرنے والا پائے گا)۔ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کے ذریعہ موجود ہے۔ ان کی یہ حالت تورات اور انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے ...... اللہ نے مومنوں اور ایمان کے مطابق عمل کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو مغفرت اور اجر سے نوازے گا۔ (الفتح:۳۰)

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کا یہ وصف بیان کرتا ہے اور ان سے راضی اور خوش ہونے کا بتاتا ہے کیا ان سے یہ توقع ممکن ہے کہ وہ سب کے سب آنحضرت ﷺ کی وفات کے معاً بعد آپ کے نافرمان بن جائیں گے اور آپ کے اس حکم کو بھول جائیں گے جو اللہ کے ارشاد کے مطابق صحابہؓ کو دیا تھا اور حضرت علیؓ کے حق میں آپ نے جو واضح وصیت فرمائی تھی اسے نظر انداز کردیں گے۔

جب آنحضرت ﷺ کے جانشین اور خلیفہ کے بارہ میں مشورہ ہو رہا تھا اس وقت کسی صحابی کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ حضورؐ کی اس وصیت کا حوالہ دیتا کہ حضور تو حضرت علیؓ کے حق میں وصیت کر گئے ہیں۔

دوسرے دلائل تو بعض صحابہ نے دیئے مثلاً یہ کہ علیؓ یا عباسؓ آنحضرت ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے انہیں جانشین ہونا چاہئے لیکن کوئی بھی معتبر روایت نہیں کہ کسی نے اس موقع پر آپ کی وصیت کو بطور دلیل پیش کیا ہو۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ بھی اپنا حق جتانے کے لئے اس وقت یہ دلیل پیش نہیں کرتے۔

پھر حضرت علیؓ نے بعض روایتوں کے مطابق دوسرے یا تیسرے روز حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اس موقع پر آپ نے یہ شکایت تو کی کہ اتنے اہم معاملہ میں مجھ سے مشورہ نہیں کیا گیا (کما روی) لیکن یہ اظہار نہ کیا کہ میرے حق میں تو آنحضرت ﷺ کی وصیت تھی۔ آپ کا بیعت کر لینا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ کے حق میں کوئی وصیت نہ تھی ورنہ آپ آنحضرت ﷺ کے صریح حکم کی نافرمانی کرنے والے کی ہرگز بیعت نہ کرتے کیونکہ یہ جرم اس جرم سے بڑا تھا جس کا یزید نے ارتکاب کیا تھا جس کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہ کی، بلکہ اس کے خلاف تلوار اٹھائی۔ پھر اگر ہم اس واقعہ کو درست مان لیں کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کے حق میں وصیت کی تھی جسے نعوذ باللہ صحابہ نے تسلیم نہیں کیا تو قرآن شریف کا اعتبار اٹھ جاتا ہے اور اس کی ان متعدد تصریحات میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا جو صحابہ کی قربانیوں کی قبولیت کے بارہ میں وہ دہرا دہرا کر اور تکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی روایت خواہ کوئی اس کا نام حدیث رکھ لے درست نہیں ہوسکتی جو قرآن کریم کے خلاف ہو اور اس کی تصریحات کی تردید کرتی ہو اور اس کے بیان کردہ واقعات کو جھٹلاتی ہو۔

پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا وہ طرز عمل بھی کسی وصیت کے واقعہ کی تردید کرتا ہے جو آپ نے اپنے سے پہلے تینوں خلفاء کے بارہ میں اختیار کئے رکھا۔ کیونکہ شیعہ حضرات بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ تینوں خلفاء کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے رہے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ **كان على موفقا اذا كل التوفيق ناصحا لله وللاسلام كل النصح حين امتنع على هٰذين الشيخين فلم ينصب نفسه للخلافة و لم ينازعها ابابكر و انما بايعه كما بايعه الناس** (علی وبنوہ مولفہ طہ حسین مطبوعہ دار المعارف قاہرہ مصر ایڈیشن نمبر ۲، ۱۹۸۲ء)

ہر اہم مشورہ میں آپ شریک ہوتے جو وظائف حضرت عمرؓ کی طرف سے صحابہ کے مقرر ہوتے رہے وہ بڑی خوشدلی کے ساتھ حضرت علی بھی قبول کرتے۔

اگر نعوذ باللہ یہ خلفاء اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوتے اور حق خلافت انہوں نے غصب کیا ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ علی ان سے کسی قسم کا تعاون کرتے۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہ کا جب باہمی اختلاف ہوا اور اس سلسلہ میں دونوں کی خط و کتابت ہوئی تو اس میں بھی حضرت علی کی طرف سے یہ دلیل پیش نہیں کی گئی کہ

میرے حق میں تو آنحضرت ﷺ کی وصیت موجود ہے۔تاریخ میں یہ خط وکتابت محفوظ ہے اپنے خطوط میں حضرت علیؓ نے حق پر ہونے کے متعدد دلائل تحریر کئے ہیں لیکن کسی ایک خط میں بھی اپنے وصی ہونے کی دلیل پیش نہیں کی۔ بلکہ ایک خط میں حضرت علیؓ نے لکھا ہے کہ ان کے چچا عباسؓ اور امیر معاویہ کے والد ابوسفیانؓ نے آپ کو یہ پیشکش کی تھی کہ وہ آپ کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں کیونکہ خلافت اور امارت بوجہ قرابت آپ کا حق ہے لیکن آپ نے فرمایا خلافت قائم ہو چکی ہے، لوگوں نے بیعت کر لی ہے اب میں تفریق بین المسلمین کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ اسطرح آپ نے ان دونوں بزرگوں کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ اگر کوئی وصیت آپ کے حق میں ہوتی تو آپ کو استرداد کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ پھر جب آپ کی شہادت کا وقت قریب آیا اور لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اپنے جانشین کے بارہ میں وصیت کر جائیں تو آپ نے ایک روایت کے مطابق فرمایا ''اترککم کما ترککم رسول الله '' (طبقات ابن سعد جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۵)۔ زیدیہ شیعہ جو حضرت امام زین العابدینؒ کے صاحبزادہ امام زید کے پیرو ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کا نام لے کر کوئی وصیت نہیں کی تھی بلکہ اپنے بعد بننے والے خلیفہ کے اوصاف بیان کئے تھے جو حضرت علی پر منطبق ہوتے تھے۔

حضرت امام حسنؓ نے اپنی خلافت کے بارہ میں جو خط وکتابت امیر معاویہ سے کی اس میں بھی وصیت کی دلیل کا کوئی ذکر نہیں بلکہ امیر معاویہ نے جب آپ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دونگا اس پر آپ نے فرمایا:''انہ لیس لمعاویۃ ان یعھد لاحد من بعدہ و ان یکون ا لامر شوریٰ و فی روایۃ کتب ان یکون الامر شوریٰ بعد موت معاویہ''

تحکیم کی تجویز کو قبول کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؓ بطور وصی حق خلافت کے دعویدار نہ تھے ورنہ تحکیم کی تجویز بے معنی ہوتی ۔کم از کم تحکیم کے سلسلہ میں جو حکم نامہ لکھا گیا تھا اس میں وصیت کی دلیل کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ وصیت کے نظریہ کے متعلق یہی رویہ حضرت امام حسینؓ، حضرت امام زیدؒ اور حضرت امام محمد بن الحنفیہؒ کا بھی تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے (حسب بیان تاریخ) خلافت کے حقدار ہونے کا دعویٰ کیا اور قرابت داری کی دلیل پیش کی لیکن کسی نے بھی وصیت کی دلیل کو پیش نہیں کیا۔ حالانکہ اگر حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے بارہ میں وصیت ہوتی تو دعویٰ خلافت کے لئے وصیت کا واقعہ سب سے بڑی دلیل کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر وصیت کے معین الفاظ بھی کسی معتبر تاریخ یا کسی مستند متفق علیہ حدیث میں محفوظ نہیں ہیں جن سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین اور خلیفہ نامزد فرمایا تھا۔ غدیر خم والا واقعہ اگر غور کیا جائے اور دوسرے واقعات کو مدنظر رکھا جائے تو اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ چند ایک منافقوں نے حضرت علیؓ کے بارہ میں نازیبا رویہ اختیار کیا تھا جیسا کہ خاندان نبوت یا جس کو اللہ تعالیٰ نے قیادت کا شرف بخشا ہو اس کے بارہ میں منافقین کا بالعموم طرز عمل ہوا کرتا ہے جس سے اکثریت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ نے اس ناواجب نکتہ چینی کا ازالہ فرمایا باقی سارا افسانہ ہے۔ زوائد حاشئے ہیں جو بہت بعد کی پیداوار ہیں اور وضع حدیث کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے بارہ میں وصیت کی جو روایات ہیں ان میں سے ایک روایت یوں ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿و انذر عشیرتک الا قربین﴾ اتری تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو (جن کی عمر اس وقت دس سال کے قریب تھی) بلا کر کہا کہ میں اپنے رشتہ داروں کی دعوت کرنا چاہتا ہوں اس کا انتظام کرو اور اس کے لئے بنو عبدالمطلب کو بلاؤ چنانچہ جب وہ سب آ گئے تو کھانا پیش کیا گیا۔ جب سب کھا چکے تو آپ نے تبلیغ شروع کی اور فرمایا کہ میں ایک بہترین پیغام لایا ہوں اسے قبول کرو اور میری مدد کرو۔ جو سبقت کرے گا وہ میرا بھائی، میرا وصی اور خلیفہ ہوگا۔ سب نے انکار کیا صرف علی نے کہا میں قبول کرتا ہوں۔ اس پر آپؐ نے علی کی گردن کو پکڑا اور کہا یہ میرا بھائی، میرا وصی اور خلیفہ ہوگا اس پر لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ یہ روایت متعدد الفاظ میں مختصراً اور تفصیلاً مختلف کتب میں آئی ہے۔ اس وقت میرے سامنے تاریخ طبری ہے جس کے صفحہ ۲۱۶ جلد ۲ میں یہ حدیث مفصل درج ہے لیکن اس کے راویوں میں کوئی ضعیف ہے تو کوئی کذاب۔ مثلاً اس روایت کا پانچواں راوی المنہال بن عمرو ہے جس کو اسماء الرجال کے بعض ماہرین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسے سیئی المذھب کہا ہے۔ ابن حزم نے بھی اس پر اعتراض کئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ دو درہموں کے لئے بھی گواہی دے تو قبول نہ کرو۔ پھر یہ عبداللہ بن الحارث سے یہ حدیث روایت کرتا ہے حالانکہ براہ راست اس نے یہ حدیث عبداللہ سے نہیں سنی اور درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ بعض روایات میں سعید بن جبیر کا ذکر آتا ہے۔ بہر حال یہ روایت منقطع ہے۔ اس کا چوتھا راوی عبدالغفار بن القاسم ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ غیر ثقہ اور رافضی ہے۔ علی مدینی کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ یحیٰ بن معین کہتے ہیں لیس بشئی یہ بے حیثیت انسان ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں اہل حدیث اسے قوی نہیں مانتے۔ ابوداؤد کہتے ہیں یہ کذاب ہے اور النسائی کہتے ہیں یہ متروک الحدیث ہے۔...... ابن حبان کہتے ہیں یہ شراب پیا کرتا تھا۔ احادیث کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا۔ لا یجوز الاحتجاج بہ اسکو بطور سند قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح باقی راویوں میں سے کسی پر کذاب ہونے کا الزام لگا ہے اور کسی کو ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیا گیا ہے۔ غرض وصیت سے متعلق تمام روایات کی اگر چھان بین کی جائے تو کوئی بھی روایت ایسی نہیں ملے گی جس کی سند کے سارے راوی ثقہ اور مقبول الحدیث ہوں ایسے ہی راوی ملیں گے جن میں سے کوئی ضعیف ہے، کوئی متروک الحدیث ہے اور کوئی کذاب ہے۔

یاد رہے کہ ابن جریر طبری تیسری صدی کے ایک مؤرخ ہیں اور جیسا کہ اس زمانہ میں رواج تھا کہ ہر رطب و یابس جو سنا تاریخ میں درج کر دیا جاتا تھا۔ یہ ناقدین کا کام

ہے کہ وہ صحیح اور غلط کی چھان بین کریں اور درست اور نادرست میں امتیاز کی راہ نکالیں۔

خود شیعہ مصادر میں یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کوئی صریح اور مستند ارشاد موجود نہیں جس کا تعلق حضرت علیؓ کی وصیت سے ہو چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتے ہیں قال صاحب کتاب المهدية فی الاسلام لما کان الرسول صلوات الله علیه قد لحق بالرفیق الاعلی دون ان یدلی برأ ی صریح ینقله الینا مصدر موثق به (فی امرا لنیابة والخلافة) فقد تشبعت الآراء و تباینت الاهواء ۔(تاریخ الفرق الاسلامیہ صفحہ ۱۱)۔

یعنی آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے خلافت اور نیابت کے بارہ میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔کوئی مستند قابل اعتبار روایت کسی ایسی رائے کے اظہار کے بارہ میں موجود نہیں ہے۔

نهج البلاغه

یہ ایک بے سند مجموعہ ہے جو دوسری صدی کے آخر میں ترتیب کے مراحل سے گزرا۔یہی حال ان کتابوں کا ہے جو الوصیت یا اثبات الوصیت کے نام سے فروغ پائیں جن کے ذریعہ ایک یہودی نژاد منافق کے تصور کو پروان چڑھایا گیا۔دراصل فتنہ کے دور میں بنوامیہ کے مقابل میں اس دوڑ کا آغاز ہوا اور پھر اتنی روایات گھڑی گئیں کہ حضرت امام شافعی کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ 'ما رئیت فی اهل الاهواء قوماً اشد بالزور من الرافضة وضعوا فی فضائل علی و اهله آلاف الاحادیث'۔حالانکہ امام شافعی حب اہل بیت نبوی میں مشہور تھے اور آپ نے اس سلسلہ میں مشکلات اور اعتراضات کا سامنا بھی کیا۔

چنانچہ آپ نے بعض اوقات شعر کے ذریعہ اس قسم کی مشکلات کا ذکر فرمایا۔مشہور ہے کہ آپ بطور تمثیل یہ شعر بکثرت پڑھتے تھے ۔

ان کان رفضا حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافض

شیعہ روایات میں وصیت کی دلیل کا ذکر پہلی بار ۱۰۰ھ کے بعد حضرت امام جعفرؒ کی طرف منسوب چند روایات میں آیا ہے۔انہوں نے بھی کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ واقعہ کسی ذریعہ سے ان تک پہنچا ہے۔نیز ان میں بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو یہ تاکید کر دی تھی کہ وہ کسی سے اس وصیت کا ذکر نہ کریں۔اس راز کے انکشاف کے پہلے مجاز حضرت امام جعفر صادق بیان کئے گئے ہیں۔

پس جو وصیت ایسی ہے جس کا دوسروں کو علم ہی نہیں اور جن قریبی لوگوں کو علم ہے ان کو انکشاف کی اجازت نہیں وہ وصیت دوسرے لوگوں کے لئے حجت کیسے ہوسکتی ہے۔

پھر جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے اور واقف حال لوگ جانتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف اتنی متضاد روایات منسوب کی گئی ہیں کہ اعتبار کی کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی اور اس قسم کے تضاد کی بنا پر محققین نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ متعدد مفاد پرست عناصر آپ کے نام سے فائدہ اٹھا کر آپ کی طرف منسوب کر کے ایسی غلط باتوں کو رواج دیتے رہے ہیں جن کی اسلام میں کوئی اصل نہیں بلکہ وہ باتیں اسلامی احکام کے صریح خلاف ہیں۔خود شیعہ حضرات کی اکثریت بھی بالعموم صحیح معنوں میں وصیت کے عقیدہ پر قائم نہیں رہی۔(اصول الکافی جلد نمبر ا صفحہ ۲۸۸)۔کوئی پہلے امام کو ہی مہدی مانتا تھا، کوئی تیسرے امام پر بس ہوگیا، کوئی چوتھے، پانچویں وغیرہ کو آخری امام مانتا تھا اور شیعہ اثنا عشریہ بارہویں امام پر آ کر رہ گئے اور اس کو زندہ غائب اور مہدی منتظر ماننے پر مجبور ہوئے۔جب غائب منتظر ہی ماننا ہے تو پھر ان لوگوں کا مسلک کیوں نہ صحیح سمجھ لیا جائے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو زندہ غائب اور مہدی منتظر مانتے ہیں۔بارہویں امام تک سلسلہ چلانے کے تکلف کی کیا ضرورت ہے۔اس سے تو اسماعیلی شیعوں کا مسلک زیادہ معقول ہے جو امام حاضر کی بیعت کے قائل ہیں اور ایک امام کے فوت ہوجانے کے بعد دوسرے امام کو مان لیتے ہیں۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۴؍جولائی ۱۹۹۷ء تا ۱۰؍جولائی ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۲

شیعوں کے بڑے ضمنی فرقے

شیعوں کے مندرجہ ذیل بڑے بڑے ضمنی فرقے ہیں: الامامیه - الزیدیه - الکیسانیه

الامامیه کے مزید ذیلی فرقے یہ ہیں:

المحمدیہ- الباقریہ- الناؤوسیہ- الشمیطیہ- العماریہ- الموسویہ- القطعیہ- الاثنا عشریہ-

الامامیہ کے غلو پسند فرقے یہ ہیں : الاسماعیلیہ- الھشامیہ- الزاریہ- الیونسیہ- الشیطانیہ- الکاملیہ-

فرقہ زیدیہ کے ذیلی فرقے تین ہیں: الجارودیہ- السلیمانیہ- البتریہ-

الکیسانیہ کے ذیلی فرقے دو ہیں- ایک فرقہ کی رائے ہے کہ امام محمد بن الحنفیہؒ زندہ ہیں- وہ ''مہدی منتظر'' ہیں جبکہ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ امام محمد بن الحنفیہ فوت ہو چکے ہیں اور ان کے بعد ان کے جانشین اور وصی ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ ہیں- الکیسانیہ فرقہ کا بانی مختار ثقفی تھا-

شیعوں کے غلو پسند فرقے جو امامیہ میں شمار نہیں ہوتے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

السبئیہ- المغیریہ- المنصوریہ- الجناحیہ- الخطابیۃ- الباطنیہ- الحلولیہ-

ان سب فرقوں میں سے جو اہم ہیں ان کا مختصر بیان آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے-

شیعوں کا بڑا ضمنی فرقہ ''الامامیہ''

''شیعہ امامیہ'' شیعوں کے ان فرقوں کا نام ہے جو حضرت علیؓ اور ان کی فاطمی اولاد میں امامت اور خلافت کو محدود مانتے ہیں نیز یہ امامت اور خلافت میں وراثت اور نص کے قائل ہیں اور امامت کے حق انتخاب کو تسلیم نہیں کرتے-

شیعہ امامیہ کئی ذیلی فرقوں میں منقسم ہے جن میں سے بعض کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- **المحمدیہ:** یہ فرقے حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام حسن مثنیؒ اور امام عبداللہؒ کے بعد محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ بن حسن المثنی بن حسن بن علی کی امامت کا قائل تھا اور ان کو آخری امام اور ''مہدی منتظر'' مانتا تھا یعنی ایسا مہدی جو نظروں سے غائب ہو گیا ہے اور آئندہ کسی وقت ظاہر ہو گا وہ ظلم و جور کو ختم کرے گا اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا- یہ فرقہ امام محمدؒ کو اس حدیث کا مصداق قرار دیتا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مہدی کا نام وہی ہو گا جو میرا نام ہے یعنی محمد اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام کی طرح عبداللہ ہو گا- اس فرقہ کے نزدیک امام محمدؒ نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ طبعی موت مرے ہیں بلکہ نجد کے ایک پہاڑ میں پناہ گزیں ہیں، مناسب وقت میں ظاہر ہوں گے اور ساری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیں گے-

امام محمد بن عبداللہ اور ان کے دو بھائی ابراہیم اور ادریس بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں- علم و زہد میں یکتا تھے اس وقت کے قریباً سارے محدثین اور فقہاء ان سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کے حامی تھے- امام محمدؒ مدینہ منورہ میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف اٹھے کیونکہ منصور ان کے قتل کے درپے تھا- یہ حجاز کے سارے علاقے پر قابض ہو گئے تھے اور ان کے بھائی امام ابراہیم نے بصرہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا- دوسرے بھائی ادریس بلاد مغرب میں غالب آئے لیکن یہ ساری کامیابی عارضی ثابت ہوئی اور تینوں بھائی مارے گئے- کہا جاتا ہے کہ ان ائمہ کی حمایت کی وجہ سے ہی امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں ابوجعفر منصور کے زیر عتاب آئے- امام محمد کے والد امام عبداللہ کو مع خاندان ابوجعفر منصور نے قید کر لیا اور انہیں بڑی اذیتیں دیں اور وہ اور ان کے خاندان کے بعض افراد قید خانہ میں ہی سختیاں جھیلتے ہوئے فوت ہو گئے-

امام محمد بن عبداللہ کی شہادت کے بعد انکے ایک عقیدت مند المغیرہ بن سعید العجلی نے دعویٰ کیا کہ محمد قتل نہیں ہوئے بلکہ غائب ہو گئے ہیں اور مناسب وقت میں ظاہر ہوں گے- جابر بن یزید جعفی کا نظریہ بھی یہی تھا گویا ان کے نزدیک امام محمد مہدی منتظر ہیں- جعفی کہا کرتا تھا کہ قیامت سے پہلے دنیا کے سب مردے زندہ کر کے واپس لائے جائیں گے تا کہ وہ امام محمد کی شان وشوکت اور عظمت کو دیکھ سکیں- (الفرق بین الفرق صفحہ ۳۹) و (فرق الشیعہ صفحہ ۶۲)

۲- **الباقریہ:** یہ فرقہ حضرت علیؓ- امام حسنؓ- امام حسینؓ- امام زین العابدینؒ کے بعد ان کے بڑے بیٹے امام محمد باقر کو آخری امام اور ''مہدی منتظر'' مانتا تھا اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے امام ہونے کی تصریح فرمائی تھی اس کے بعد ہر امام نے اپنے جانشین کو نامزد کیا اور اس کو امام ماننے کی وصیت کی- یہ فرقہ یہ بھی مانتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے کہا کہ تم میرے بیٹے ''محمد باقر'' سے ملو گے- جب ملو تو ان کو میرا اسلام پہنچانا- چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے بڑی لمبی عمر پائی- عمر کے آخری حصہ میں آپؓ کی نظر جاتی رہی- ایک دن وہ مدینہ کی گلی میں سے گزر رہے تھے کہ ایک لونڈی محمد باقر کو اٹھائے ہوئے گزری- جابرؓ نے اس سے یہ پوچھا یہ لڑکا کون ہے جس کو تم اٹھائے ہوئے ہو- اس نے بتایا کہ یہ امام علی زین العابدین کا بیٹا محمد ہے- چنانچہ جابرؓ نے ان کو لے کر اپنے سینہ سے لگایا، پیار کیا اور کہا کہ میں تمہیں تمہارے نانا کا سلام پہنچاتا ہوں- جابرؓ آنحضرت ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کے بعد جلد ہی فوت ہو گئے-

۳- **الناؤوسیہ:** یہ فرقہ امام محمد باقرؒ کے بعد ان کے بیٹے امام جعفر صادق کو آخری امام اور ''مہدی منتظر'' مانتا تھا- اس فرقے کا نظریہ تھا کہ امام جعفرؒ تمام علوم کے جامع اور

ماہر ہیں- وہ علم دین کا ہو یا عقلیات سے تعلق رکھتا وہ سب کچھ جانتے ہیں، ان کا یہ علم لدنی یعنی خدا کی طرف سے ان کو عطا ہوا تھا اس میں ان کے کسب یا کسی سے سیکھنے کا کوئی دخل نہیں تھا-

۴-**الشمیطیه:** یہ فرقہ امام جعفرؓ کی موت کا قائل تھا وہ البتہ امامت کو ان کی اولاد میں منحصر تسلیم کرتا تھا اور یہ کہ امام مہدی انہی کی اولاد میں سے ظاہر ہوگا گویا یہ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کا پیش رو ہے-لیکن یہ امام جعفر صادق کے بیٹے امام موسیٰ کاظم کی بجائے ان کے دوسرے بیٹے محمد بن جعفر کی امامت کا قائل ہے-

۵-**الاسماعیلیه:** یہ فرقہ حضرت امام جعفر کے بیٹے امام اسمٰعیل کو امام منصوص مانتا ہے یعنی امام جعفر نے اپنے بعد ان کے امام ہونے کا اعلان کیا تھا-اگر چہ امام اسمٰعیل حضرت جعفر کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے لیکن اس فرقے کا نظریہ ہے کہ جب امام وقت باعلام الٰہی ایک دفعہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دے تو پھر یہ نص کسی حال میں بھی منسوخ نہیں ہوسکتی-اور آئندہ امامت اس منصوص علیہ کی اولاد اور نسل کی طرف جاتی ہے-اس لئے ان کے نزدیک امام جعفرؓ کی وفات کے بعد امام اسمٰعیل اور ان کی اولاد کو امام تسلیم کیا جانا چاہئے- بہر حال اس اصولی نظریہ پر متفق ہونے کے بعد یہ فرقہ کئی ضمنی شاخوں میں بٹ گیا مثلاً:

(الف) ایک گروہ کے نزدیک امام اسمٰعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور آخری امام اور ''مہدی منتظر'' ہیں- ان کی آگے کوئی اولاد یا نسل نہیں تھی وہی آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور امام مہدی کے فرائض سرانجام دیں گے-

(ب) ایک فرقے کے نزدیک امام اسمٰعیل فوت ہو چکے ہیں اور ان کے بعد ان کے بیٹے محمد بن اسمٰعیل امام بنے- وہ مہدی منتظر اور القائم صاحب الزمان ہیں وہ روم کے علاقہ میں زندہ موجود ہیں- آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور شریعت اسلامیہ کو منسوخ کر کے نئی شریعت جاری کریں گے-

(ج) ایک تیسرے گروہ کے نزدیک امام محمد بن اسمٰعیل کی اولاد میں امامت جاری ہے- اسی نسل کے ائمہ بعد میں حکومت عبیدیہ اور فاطمیہ کے بانی بنے- اسمٰعیلہ باطنیہ کی بھی یہی رائے ہے اور موجودہ آغا خانی شیعہ اور بوہرے بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس کی تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی-

۶-**الموسویه:** اس فرقہ کو العمّاریہ اور الممطوریہ بھی کہا جاتا ہے- یہ فرقہ امام جعفرؓ کے بعد ان کے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو آخری امام اور ''مہدی منتظر'' مانتا تھا-

۷- **القطعیه یا الاثنا عشریه:** اس فرقے کا ایک نام اصحاب الانتظار بھی ہے اس فرقہ کا نام ''القطعیہ'' اس وجہ سے ہے کہ یہ موسویہ فرقہ کے برخلاف امام موسیٰ کاظم کی وفات کا قائل ہے- ای انهم قطعوا بموت موسیٰ الكاظم بخلاف الموسويه-

شیعہ اثنا عشریہ ''ائمہ منصوصہ'' کی مندرجہ ذیل ترتیب مانتے ہیں:

حضرت علیؓ- امام حسنؓ- امام حسینؓ- امام زین العابدینؒ- امام محمد باقرؒ- امام جعفر صادق- امام موسیٰ کاظم- امام علی الرضا- امام محمد الجواد- امام علی الہادی- امام الحسن العسکری اور امام محمد بن الحسن العسکری-

یہ آخری بارھویں امام اثنا عشریہ کے نزدیک امام غائب یا مہدی منتظر تسلیم کئے گئے ہیں- یہ عباسی حکومت کی مشہور چھاؤنی ''سرَّ من رَأی'' میں اپنے باپ کے ایک تہ خانہ میں غائب ہوئے اور اب تک غائب ہیں- آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور دنیا سے ظلم وجور کو مٹائیں گے اور اسے عدل وانصاف سے بھر دیں گے-

امام غائب کی غیبوبت کے دو (۲) دور

محمد بن الحسن العسکری ''المهدی المنتظر'' جب غائب ہوئے تو ان کی عمر کیا تھی اس بارہ میں اختلاف ہے- بعض کے نزدیک اڑھائی سال، بعض کے نزدیک چار سال اور بعض کے نزدیک آٹھ سال تھی- ان کی غیبوبت کا زمانہ دو حصوں میں منقسم مانا گیا ہے- ''غیبوبت صغریٰ'' جو ۲۶۰ھ سے ۳۲۹ھ تک کا زمانہ ہے- اس عرصہ میں امام غائب کے چار سفیر ان کی قائمقامی کرتے رہے جو یہ ہیں:

۱-عثمان بن سعید- ۲-محمد بن عثمان الشیخ الخلانی- ۳-الحسین ابن روح اللہ النوبختی اور آخری سفیر علی بن محمد السمر ہ المتوفی ۳۲۹ھ- اس آخری سفیر نے اپنی وفات سے پہلے ایک ''توقیع'' (از قسم پروانہ) جاری کیا جس میں یہ اطلاع تھی کہ اب غیبوبۃ صغریٰ کا زمانہ ختم ہے اور غیبوبۃ کبریٰ کا دور شروع ہو رہا ہے جو مہدی منتظر کے ظہور تک جاری رہے گا- اس عرصہ میں شیعہ اثنا عشریہ کے علماء اور مجتہد امام غائب کی قائمقامی، عوام کی رہنمائی اور تنظیم اور دین کی اشاعت کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے- یہی فرقہ امامیہ اثنا عشریہ ان دنوں ایران میں برسر اقتدار ہے اور عراق، ہندوستان اور پاکستان وغیرہ علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے اور انتہائی توسیعی سرگرمیوں میں مصروف ہے- شیعہ اثنا عشریہ کی فقہ جو ''فقہ جعفریہ'' کے نام سے مشہور ہے ایک قابل مطالعہ علمی سرمایہ ہے-

شیعہ اثنا عشریہ کے بعض مخصوص مسائل

الامامة: شیعہ حضرات کے نزدیک مسلمانوں کی دینی رہنمائی اور قیادت کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے۔ یہ امام بذریعہ نص اور وصیت اہل بیت النبیؐ سے نامزد ہوگا۔ پہلے تین امام حضرت علیؓ۔ حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ باعلام الٰہی آنحضرت ﷺ کی طرف سے منصوص ہیں یعنی حضورؐ نے ان کے حق میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد یہ تینوں یکے بعد دیگرے امام ہوں گے اور امت کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ اسکے بعد ہر امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانشین کے بارہ میں وصیت کرے کہ میرے بعد اہل بیت یعنی حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد میں سے فلاں امام ہوگا۔ غرض شیعہ امامیہ اثناعشریہ کے نزدیک امامت اور دینی قیادت نص، وصیت اور وراثت کی بناء پر قائم ہوتی ہے۔ اس بارہ میں امت مسلمہ کو انتخاب یا شوریٰ کا کوئی حق حاصل نہیں۔

وصیت: شیعہ اثناعشریہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو حکم تھا کہ وہ وفات سے پہلے اپنی جانشینی کے لئے علیؓ کے بارہ میں وصیت کر جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے حسب الحکم یہ اعلان فرمایا کہ میرے بعد علیؓ امت مسلمہ کے امام اور قائد ہوں گے اسلئے علی وصی اللہ اور وصی الرسول اور خلیفہ بلافصل ہیں اور انکے بعد ان کی فاطمی اولاد بطریق وصیت و نص اس منصب پر فائز ہوتی چلی جائے گی گو بارھویں امام پر یہ وصیت ختم ہے۔

العلم: قرآن کریم اور دین کا علم امام کو اللہ تعالیٰ اس کے رسول یا امام سابق کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے گویا ان علوم کا وہ پیدائشی عالم ہوتا ہے اسے کسی اور سے پڑھنے اور دینی علم سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے علم کا اصطلاحی نام "علم لدنی" ہے جو آیت کریمہ "**و علّمناه من لّدنا علماً**" (**الكهف: ٦٦**) سے ماخوذ ہے۔

العصمة: انبیاء کی طرح امام بھی معصوم ہوتے ہیں۔ دینی رہنمائی میں وہ غلطی نہیں کر سکتے کیونکہ نبی کی طرح ان کی ذمہ داری بھی لوگوں کی راہنمائی ہوتی ہے اگر اس بارہ میں ان سے غلطی کا امکان ہو تو امان اور اعتماد اٹھ جائے گا۔

المهدوية: قریباً سارے مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب امت محمدیہ بگڑ جائے گی تو اس کے بگاڑ کو دور کرنے اور اس کی شوکت رفتہ کو بحال کرنے کے لئے ایک عظیم الشان وجود مبعوث ہوگا جس کا موعود نام "مہدی" بتایا گیا ہے۔ شیعہ اثناعشریہ کے نزدیک یہی عظیم وجود "مہدی منتظر" ہے یعنی جب وہ پیدا ہوا تو بعض حالات کی بنا پر بالفاظ دیگر الٰہی تقدیر کے تحت غائب ہوگیا اور اس وقت اپنا مشن پورا نہ کر سکا لیکن کسی مناسب وقت میں جس کا علم خدا کو ہے وہ اس دنیا میں واپس آئے گا عظیم الشان فتوحات حاصل کرے گا، ظلم و جور کا قلع قمع کرے گا، عدل وانصاف کی وجہ سے سب کے دل جیت لے گا۔ شیعہ اثناعشریہ کے عقیدہ کے مطابق یہ "مہدی منتظر" محمد بن الحسن العسکری ہیں جو بچپن میں ہی غائب ہو گئے تھے اور دوبارہ آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی طرف سے اجازت کے منتظر ہیں۔

الرجعة: رجعت کے معنے یہ ہیں کہ دنیا سے جانے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں واپس آنا خواہ فوت ہوجانے کے بعد خواہ زندہ آسمان کی طرف چلے جانے یا زمین کے کسی حصہ میں غائب ہوجانے کے بعد۔ رجعت کا عقیدہ دراصل "مہدی منتظر" کے عقیدہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہوا یوں کہ ایک امام کے ساتھ بہت سی امیدیں وابستہ کی گئیں کہ وہ یوں دشمنوں پر غالب آئے گا، اپنے پیروؤں کے سارے مصائب کا خاتمہ کردے گا۔ ظالموں کو نیست و نابود کر دے گا۔ عدل وانصاف سے دنیا کو بھر دے گا، لیکن ان سب امیدوں کے برعکس لوگوں کی بدقسمتی سے وہ اپنے مشن کی تکمیل سے پہلے فوت ہوگیا یا دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوگیا تو اس کے پیروؤں میں یہ خیال بطور عقیدہ عام ہوگیا کہ ان کے یہ امام فوت نہیں ہوئے بلکہ غائب ہوگئے ہیں اور کسی وقت دوبارہ آکر اپنے مشن کو پورا کریں گے اس طرح اس خیال نے "مہدی منتظر" کے عقیدہ کو جنم دیا۔ بعض کے نزدیک وہ امام فوت تو ہو گئے لیکن دوبارہ زندہ ہو کر وہ اپنے مشن کی تکمیل کریں گے۔ بہر حال شیعہ اثناعشریہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں آنے کے عقیدہ کو درست تسلیم کرتے ہیں اور رجعت کے عقیدہ کو مانتے ہیں۔

التقيه: شیعہ اثناعشریہ تقیہ کے بھی قائل ہیں۔ تقیہ کے معنے یہ ہیں کہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو، جان کا خطرہ ہو یا دشمن نقصان پہنچانا چاہتا ہو تو عقیدہ کو چھپا لینا اور جو دل میں ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا درست ہے اور بعض اوقات تو ایسا کرنا واجب اور ضروری ہوجاتا ہے۔ اس طرز عمل کا جواز حضرت عمار بن یاسرؓ کے ایک واقعہ سے مستنبط ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ مکہ کے کفار نے عمار کو پکڑ کر خوب مارا اور کہا کہ وہ اسلام سے انکار کرے، محمدؐ کو گالیاں دے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا اس سے پہلے وہ عمارؓ کے والد اور والدہ کو قتل کر چکے تھے۔ عمار ڈر گئے اور انہوں نے کفار کا کہا مان لیا لیکن بہت پچھتائے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت روئے اور معذرت کی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تمہارے دل کی کیا حالت ہے۔ عمارؓ نے عرض کیا دل میں تو پورا پورا ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر فکر کی کوئی بات نہیں اگر وہ دوبارہ پکڑیں تو پھر ایسا ہی کرو "**ان عادوا فعُد**"۔ آیت کریمہ "**الا من اكره و قلبه مطمئن بالايمان**" (**النحل: ١٠٧**) میں اسی اجازت کی طرف اشارہ ہے۔

البداء: شیعہ اثناعشریہ بداء کے نظریہ کو بھی مانتے ہیں۔ بداء کے نظریہ کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فیصلہ فرماتا ہے اور نبی یا امام وقت کو اطلاع دیتا ہے کہ اس فیصلہ کا اعلان کردو اور وہ اعلان کر دیتا ہے لیکن کسی مصلحت کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے پہلے فیصلہ اور ارادہ کو بدل دیتا ہے اور اسے منسوخ کر دیتا ہے اور کوئی دوسرا فیصلہ کر لیتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلے فیصلہ کی بجائے ایک نیا فیصلہ آیا اور ایک نئی صورت حال ظاہر ہوئی۔ مثلاً حضرت امام جعفر صادق نے باعلام الٰہی اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل کے حق میں وصیت کی تھی اور کہا

تھا کہ میری وفات کے بعد یہ میرا جانشین ہوگا- یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی، لیکن بقضائے الٰہی اسمٰعیل امام جعفر صادق کی زندگی میں فوت ہوگیا گویا خدا نے اپنے فیصلہ کو بدل دیا اوراس کے سامنے یہ آیا کہ اسمٰعیل کی بجائے امام جعفر صادق کا دوسرا بیٹا امام موسیٰ الکاظم امام ہونا چاہئے- چنانچہ شیعہ اثناعشریہ نظریہ بداء کے تحت ہی اسمٰعیل کی بجائے موسیٰ الکاظم کو ساتواں امام مانتے ہیں- اثناعشری شیعوں نے بداء کے اس نظریہ سے متعدد بار کام لیا- اس نظریہ کا اصل موجد مختار ثقفی تھا وہ اپنے پیروؤں کے سامنے کوئی پیشگوئی کرتا اور اگر وہ پوری نہ ہوتی تو کہتا خدا نے ''اصول بداء'' کے تحت اپنا ارادہ بدل لیا ہے- اس نظریہ کی بنیاد آیہ کریمہ ''وَ بَدَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ'' (الزمر:۴۸) اور ''يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ'' (الرعد:۴۰) پر قائم کی گئی ہے- جہاں تک وعید اور تقدیر شر کا تعلق ہے- ایسی تبدیلی کو قریباً سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ دعا اور صدقات سے تقدیر شر ٹل سکتی ہے- خوشخبری اور تقدیر خیر کے بدل جانے کے نظریہ کو صرف شیعہ حضرات مانتے ہیں-

المتعہ: شیعہ کے نزدیک متعہ جائز ہے- متعہ کے معنے یہ ہیں کہ جنسی تسکین کے لئے کچھ معاوضہ دے کر ایک معین مدت کے لئے مرد اور عورت کا جنسی تعلقات کے لئے معاہدہ کر لینا- اسلام سے پہلے اس قسم کے وقتی نکاح کا عرب میں رواج تھا- اکثر اہل اسلام کے نزدیک اسلام نے اس قسم کے نکاح کی ممانعت کردی تھی، لیکن شیعہ مسلک یہ ہے کہ اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے- تفصیل شیعہ فقہ کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے-

مجالس عزاء: یوم عاشورہ کی تقاریب منانا شیعہ اثناعشریہ کے مذہبی دستور العمل اور پالیسی کا ایک حصہ ہے اس کا مقصد ان مظالم کی یاد کو تازہ رکھنا ہے جو ائمہ اہل بیت پر روا رکھے گئے- تشیع کے فروغ اور عوام میں اس کو مقبول بنانے کے لئے اسے بڑا مفید حربہ سمجھا گیا ہے- مجالس عزاء کے انعقاد کی بڑی لمبی تاریخ ہے ایک خاص قسم کی ادبی نہج یعنی مرثیہ گوئی کے فن کو بھی اس سے بہت فروغ ملا ہے-

شیعہ اثنا عشریہ کے بعض غلو پسند ذیلی فرقے

۸- **الهشامیه:** اس فرقہ کے دو گروہ ہیں ایک گروہ کے قائد ہشام بن الحکم اور دوسرے کے ہشام بن السالم الجوالیقی ہیں- یہ دونوں گروہ شیعہ اثناعشریہ کی طرح ائمہ اہل بیت اور ان کی مذکورہ بالا ترتیب کو تسلیم کرتے ہیں لیکن بعض خاص نظریات کی وجہ سے یہ اثناعشریہ سے الگ فرقہ شمار کئے جاتے ہیں- ہشام بن الحکم کے خاص نظریات جن سے اثنا عشریہ متفق نہیں درج ذیل ہیں:

ہشام کے نزدیک انبیاء معصوم نہیں ان سے معصیت اور غلطی سرزد ہوسکتی ہے لیکن ان کے عصیان کا تدارک وحی کے ذریعہ ہو جاتا ہے یعنی خدا بذریعہ وحی ان کو متنبہ کر دیتا ہے کہ ان سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے اور اس کا تدارک کیا ہے- اس کے برخلاف ہشام کے نزدیک ائمہ معصوم ہوتے ہیں وہ غلطی کر ہی نہیں سکتے- اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کی طرح ائمہ بھی امت کی قیادت اور راہنمائی کے ذمہ دار ہیں اور اس رہنمائی میں غلطی نہیں ہونی چاہئے ورنہ ان کا اعتماد جاتا رہے گا اور چونکہ ائمہ پر وحی نازل نہیں ہوتی جو غلطی پر متنبہ کرے اس وجہ سے ان کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے تا کہ وہ غلط رہنمائی سے بچے رہیں اور امت کا اعتماد بحال رہے-

ہشام کا ایک نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور وہ ذو حدو نہایہ ہے- ایک روایت کے مطابق ہشام کا اندازہ تھا کہ خدا کا قد اپنی بالشت کے لحاظ سے سات بالشت ہے جس طرح ہر انسان کا قد اس کی اپنی سات بالشت کے برابر ہوتا ہے- ایک دفعہ ابوالہذیل معتزلی نے مکہ کے ایک پہاڑ جبل ابوقبیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہشام سے پوچھا کہ یہ پہاڑ بڑا ہے یا تمہارا معبود- تو ہشام نے جواب دیا قد کے لحاظ سے پہاڑ بڑا ہے ''**ان الجبل اعظم منه**''- ہشام کہا کرتا تھا کہ خدا عرش پر متمکن ہے اور عرش اس کی سیٹ کے بالکل برابر ہے یعنی جتنا اس کے بیٹھنے کا گھیر ہے اتنا ہی چوڑا اس کا عرش ہے- الغرض ہشام کا کہنا تھا کہ ''**ان الله تعالیٰ طویل - عریض - عمیق (ای جسم) و لکن جسمه لیس مادیاً بل هو نور ساطع یتلألأ**''-

ہشام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا علم ایک لحاظ سے حادث ہے یعنی اسے اس وقت کسی چیز کا علم ہوتا ہے جب وہ چیز وجود میں آجاتی ہے اگر یہ نہ مانا جائے تو اشیاء کو قدیم ماننا پڑے گا جو غلط ہے- وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ایک شعاع (کرن) پھوٹتی ہے جو چیز موجود سے ٹکراتی ہے یا اس کے اندر تک چلی جاتی ہے اس طرح اس شعاع کی تنویر سے اسے اس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے-

ہشام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسکی حرکت کا نام ہے یعنی جب وہ حرکت کرتا ہے تو تخلیق کا عمل شروع ہوتا ہے- ہشام کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم قدرت، سمع وغیرہ کو نہ قدیم کہا جاسکتا ہے اور نہ حادث ''**لانَّ الصفات لا توصف**''(صفت کی صفت بے معنے بات ہے) ''**فالقرآن (ای کلام الله) لامخلوق و لا حادث**''-

ہشام بن الحکم بڑی متنازعہ شخصیت رہا ہے- بعض اسے بڑا پارسا، صحیح العقیدہ، نکتہ رس اور عالم باعمل مانتے ہیں اور اس کے اظہارات اور نظریات کی تاویل کرتے ہیں

-حد یہ ہے کہ اس کی طرف سے دفاع میں بعض علماء اہل السنّت پیش پیش رہے ہیں جبکہ بعض دوسرے علماء خاص طور پر شیعہ اثناعشریہ اسے خبیث العقیدہ اور کافر سمجھتے ہیں-

ہشامیہ فرقہ کا دوسرا گروہ ہشام بن السالم الجوالیقی کا پیرو ہے- اس کا خاص نظریہ جس سے دوسرے اثناعشریہ متفق نہیں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی شکل ایک انتہائی حسین و جمیل انسان کی طرح ہے لیکن یہ شکل نوری ہے مادی نہیں- ''**ای انہ لیس بلحمٍ و لا دمٍ بل ھو نور ساطع لہ ید و رجل و عین و اذن و انف و فم و انّ نصفہ الاعلی مجوّف و نصفہ الاسفل مصمت و لہ ذفرۃ (شعر) سوداء من نورٍ اسود و باقیہ نور ابیض**''-

اسی نظریہ کے تحت اس فرقہ کے لوگ جب کسی حسین عورت یا مرد کو دیکھتے تو یہ خیال کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ میں گر جاتے کہ اس میں انہیں خدا کا جلوہ نظر آیا ہے-

۹- الزراریہ: زرارہ بن اعین کے پیرو تھے- اس فرقہ کے لوگ حضرت امام جعفر صادقؓ کے بڑے بیٹے عبداللہ کو امام مانتے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد شیعہ اثناعشریہ کی طرح یہ بھی امام جعفر کے دوسرے بیٹے امام موسیٰ الکاظم کو امام ماننے لگے- ان کا خاص نظریہ جو ان کو اثناعشریہ سے الگ کرتا ہے یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ بے وصف تھا اس کے لئے کوئی صفت ثابت نہ تھی بعد میں اس نے اپنی صفات کو پیدا کیا اور ان سے متصف ہوا ''**ای انہ لم یکن حیاً و لا قادراً و لا سمیعاً و لا بصیراً و لا عالماً و لا مریداً حتّٰی خلق لنفسہ حیٰوۃ و قدرۃً و سائر الصفات المذکورۃ فسار بعد ذالک حیاً قادراً-الخ**'' معتزلہ میں سے قدریہ بصریہ اور کرامیہ کا نظریہ بھی قریباً قریباً یہی تھا-

۱۰- الیونسیہ: یہ فرقہ یونس بن عبدالرحمٰن القمی کا پیرو تھا- یہ فرقہ بھی اثناعشریہ کی ہی ایک شاخ ہے لیکن خدا تعالیٰ کے بارہ میں ایک خاص نظریہ رکھنے کی وجہ سے اسے الگ فرقہ شمار کیا گیا ہے- اس فرقہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے اور اس کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں- یہ فرشتے عرش کے لحاظ سے گو کمزور ہیں لیکن جس طرح ''کرکی'' نامی پرندہ ہوتا ہے جس کا جسم بہت بڑا ہوتا ہے اور ٹانگیں انتہائی پتلی اور کمزور ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کمزور ٹانگیں اس کے بھاری جسم کو اٹھائے رکھتی ہیں- اسی طرح یہ فرشتے کمزور ہونے کے باوجود عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں-

۱۱- الشیطانیہ: یہ فرقہ محمد بن النعمان شیطان الطاق کا پیرو ہے- بعض شیعہ اس سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور اسے شیطان الطاق کی بجائے مؤمن الطّاق کہتے تھے- حضرت امام ثوری کو بھی اس سے بڑی عقیدت تھی- وہ کہا کرتے تھے کہ محمد بن النعمان کو دیکھ کر مجھے سمجھ آئی کہ صوفی کسے کہتے ہیں- بہرحال یہ اپنے زمانہ میں معروف و مشہور صوفیاء میں شمار ہوتا تھا اور امام جعفر کا ہمعصر تھا- خدا تعالیٰ کے بارہ میں اس کے نظریات بھی مذکورہ بالا ہشامیہ فرقے کے نظریات سے ملتے جلتے تھے- محمد بن النعمان بھی بڑی متنازع فیہ شخصیت کا حامل تھا- بعض اسے ولی اللہ مانتے تھے اور بعض اسے کھلا کھلا شیطان کہتے تھے-

۱۲- الکاملیہ: یہ فرقہ ابو کامل کا پیرو تھا- اس فرقہ کا نظریہ تھا کہ تمام صحابہؓ (والعیاذ باللہ) کافر ہیں- عام صحابہ اس لئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور علیؓ کو خلیفہ ماننے کی بجائے ابوبکرؓ کو خلیفہ چن لیا اور علیؓ اس لئے کافر ہیں کہ انہوں نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے جنگ نہیں کی بلکہ چپ کر کے بیٹھ گئے- علاوہ ازیں اس فرقہ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ علیؓ اپنی غلطی کے تدارک کے لئے دوبارہ دنیا میں واپس آئیں گے اور دوسرے صحابہؓ کو بھی زندہ کیا جائے گا تا کہ علیؓ ان سے اپنا حق واپس لے سکیں- یہ گروہ اس بات کا بھی قائل تھا کہ ابلیس حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے میں حق بجانب تھا کیونکہ آگ زمین سے افضل ہے- اس فرقہ کا ایک شاعر کہتا ہے:

الارض مظلمۃ والنار مشرقۃ
والنار معبودۃ مذ کانت النار

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس فرقہ کے عقائد مجوسیت سے متاثر تھے-

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۱؍جولائی ۱۹۹۷ء تا ۱۷؍جولائی ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۳

شیعوں کا دوسرا بڑا ضمنی فرقہ الزیدیہ

شیعہ زیدیہ دوسرے امامیہ فرقوں سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ یہ حضرت امام زین العابدین کے بیٹے محمد باقر کی بجائے ان کے دوسرے بیٹے زید بن زین العابدین کو اپنا امام مانتے ہیں اور حضرت زید کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے یحیٰ کی امامت کے قائل ہیں۔

زیدیہ کے نزدیک امامت کے اہل ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

الف: امام وہ بن سکتا ہے جو حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہو۔
ب: وہ صاحب السیف ہو یعنی اقتدار کا مالک ہو یا اقتدار حاصل کرنے کے لئے مسلح جدوجہد میں مصروف رہتا ہو۔
ج: امامت کے لئے نص اور وصیت ضروری نہیں بلکہ امت کو امام منتخب کرنے کا حق ہے جبکہ منتخب میں مندرجہ بالا دونوں شرائط پائی جاتی ہوں۔

یہ فرقہ اصولی طور پر امام غائب یا ''مہدی منتظر'' کا بھی قائل نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہے کہ امت میں ہر وقت واجب الاطاعت امام موجود ہو جو امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت زید بنوامیہ کے خلاف نہ تھے بلکہ مسالم تھے لیکن ایک بار وہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دربار میں گئے تو اس نے بلاوجہ آپ کی توہین کی اور آپ کو لونڈی زادہ کہا۔ آپ وہاں سے کبیدہ خاطر واپس آئے اور ہشام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ کوفہ اور گردونواح کے ہزاروں باشندوں نے آپ کی بیعت کی اور بنوامیہ سے جنگ میں آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جنگ کے دوران حضرت زید کے بعض سرداروں نے آپ سے سوال کیا کہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے بارہ میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ حضرت زید نے جواب دیا میں ان کو اپنا بزرگ مانتا ہوں'' وانی لا اقول الا خیراً و ما سمعت ابی یقول فیھما الا خیراً ''اس پر یہ معترضین اور ان کے پیرو سب آپ سے الگ ہو گئے۔ صرف دوسو آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے اس پر آپ نے فرمایا یہ لوگ جنھوں نے عین میدان جنگ میں غداری کی ہے رافضی ہیں۔ اس طرح پہلی دفعہ شیعوں کا نام رافضی پڑا۔ بہر حال زید اور ان کے دوسو ساتھی لڑتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے۔ حضرت زید کی تدفین ہوئی لیکن عراق کے اموی والی نے آپ کی نعش کو قبر سے نکال کر سولی پر لٹکا دیا۔ یہ ننگی نعش کئی دنوں تک لٹکتی رہی اس کے بعد اسے اتار کر جلا دیا گیا۔ حضرت امام زید کے بیٹے یحیٰ خراسان کی طرف بھاگ گئے لیکن وہاں کے والی سے جنگ کرتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے۔ خراسان کے شہر جوز جان میں ان کا مزار اب تک مرجع عوام ہے۔ کوفیوں کی اس قسم کی غداریوں کی وجہ سے جو انہوں نے مسلسل ائمہ اہل بیت سے روا رکھیں یہ محاورہ مشہور ہو گیا کہ ھو اغدر من کوفی کیونکہ کوفیوں نے سب سے پہلے حضرت علیؓ سے غداری کی جو بالآخر حضرت علیؓ کی شہادت پر منتج ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت حسینؓ کی بیعت کی لیکن اس پر وہ قائم نہ رہے اور ایک موقعہ پر آپ کو نیزہ مار کر گھوڑے سے گرا دیا۔ حضرت امام حسنؓ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر امیر معاویہ سے مصالحت کر لی۔ اس کے بعد اہل کوفہ نے امام حسینؓ کو مکہ سے بلوایا لیکن بعد میں آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور ان کی غداری کی وجہ سے امام حسینؓ اور ان کا سارا خاندان میدان کربلا میں شہید ہو گیا۔ صرف امام زین العابدین بوجہ بیماری اور امام حسن مثنٰی بوجہ صغرسنی بچ سکے۔ امام حسینؓ کو شہید کرنے والے بھی سب کے سب کوفی تھے۔ ان میں ایک بھی شامی نہیں تھا۔ اس کے بعد امام حسینؓ کے پوتے حضرت زیدؒ سے غداری کے یہ مرتکب ہوئے۔ غرض اہل کوفہ کی غداریوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ائمہ اہل بیت کی وفاداری کے عہد کرتے، ان کی بیعت کرتے لیکن جلد ہی اپنے عہد سے پھر جاتے اور بعض اوقات عین میدان جنگ میں اپنے امام کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔

الزیدیہ کے ذیلی فرقے

حضرت زید کی شہادت کے بعد زیدیہ مندرجہ ذیل تین فرقوں میں بٹ گئے۔

الجارودیہ ۔ السلیمانیہ ۔ اور البتریہ

الجارودیہ: یہ فرقہ ابوالجارود کا پیرو تھا۔ اس فرقے کا نظریہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نام لے کر حضرت علیؓ کو جانشین مقرر نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ نے بعض ایسے اوصاف بیان کئے تھے جو حضرت علیؓ میں پائے جاتے تھے۔ اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ میرے بعد علی کو میرا جانشین مانا جائے۔'' ای ان النبی ﷺ نص علی امامۃ علی بالوصف دون الاسم'' مگر صحابہ اس ہدایت کی پابندی نہ کر کے کفر کے مرتکب ہوئے۔

جارودیہ کا یہ نظریہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی امامت '' وصفاً منصوص'' ہے اور اس کے بعد حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد میں سے شوریٰ یعنی انتخاب کے ذریعہ امام منتخب ہوگا۔ بشرطیکہ وہ صاحب السیف ہو۔ جارودیہ کی ایک شاخ کا یہ نظریہ ہے کہ امام محمد بن عبداللہ'' مہدی منتظر'' ہیں۔ گویا جو نظریہ امامیہ میں سے فرقہ المحمدیہ کا ہے وہی نظریہ ان کا بھی ہے لیکن زیدیہ کے دوسرے فرقے امام حاضر کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک جب امام فوت ہو جائے تو اس کی وفات کے بعد بذریعہ انتخاب دوسرا امام مقرر کرنا ضروری ہے۔

السلیمانیہ: یہ فرقہ سلیمان بن جریر کا پیرو ہے۔ اس فرقہ کا نظریہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو امام ماننے کی وصفاً تاکید کی تھی نہ یہ کہ آپ کا نام لے کر آپ کو خلیفہ ماننے کا حکم دیا تھا، لیکن صحابہؓ نے اس ہدایت کے مطابق حضرت علیؓ کو اپنا امام نہ مانا بلکہ ابوبکرؓ کو امام منتخب کر لیا۔ مگر صحابہؓ کی یہ غلطی اجتہادی تھی یعنی انہوں نے ترک اولیٰ

کیا اس لئے اس غلطی کی وجہ سے نہ وہ کافر ہیں اور نہ مستوجب سزا ۔(العقیدہ والشریعة فی الاسلام صفحہ ۲۱۱)۔غرض یہ فرقہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو امام مان لینے کو جائز سمجھتا ہے۔اس لئے اس فرقہ کے نزدیک ابوبکرؓ اور عمرؓ امام برحق اور خلیفہ راشد تھے تاہم یہ فرقہ حضرت عثمانؓ کی تکفیر کرتا ہے۔

البتریه : یہ فرقہ صالح بن حی اور کثیر النواء الابتر کا پیرو ہے۔ان کا نظریہ بھی خلافت کے بارہ میں وہی ہے جو سلیمانیہ کا ہے لیکن یہ حضرت عثمانؓ کی تکفیر نہیں کرتے۔فھو لاء احسن حالا عند اھل السنة۔

زیدیہ کے تینوں گروہ خوارج کی طرح کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی مانتے ہیں۔

فرقہ زیدیہ یمن میں برسر اقتدار ہے اور دوسرے شیعہ فرقوں کی نسبت اہل سنت کے زیادہ قریب ہے۔فقہ زیدیہ بھی ایک قابل قدر علمی سرمایہ اور مطالعہ کے لائق فقہ ہے۔

شیعوں کا تیسرا بڑا ضمنی فرقہ الکیسانیہ

شیعوں کا یہ فرقہ مختار بن عبید ثقفی المقتول ۷۶ھ کی طرف منسوب تھا۔ مختار حضرت امام حسین کے قاتلین سے انتقام لینے کا دعویٰ لے کر اٹھا اور ان کو چن چن کر قتل کیا یہاں تک کہ ایک جنگ میں امام حسینؓ کے قتل میں ملوث آخری آدمی محمد بن الاشعث کندی کو بھی قتل کیا اور کہا "واللہ لا ابالی بالموت بعد ھذا" چنانچہ اسی جنگ کے تسلسل میں مختار مارا گیا۔مختار کے اسی کارنامہ کی وجہ سے عام شیعہ کے دل میں اس کی بہت زیادہ قدر رہے۔

مختار نے حضرت علیؓ کے ایک غیر فاطمی بیٹے محمد بن الحنفیہ کو امام ماننے کی دعوت دی اور انہیں مہدی قرار دیا۔کیسان مختار کا خفیہ نام تھا۔بعض روایات کے مطابق کیسان امام محمد بن الحنفیہ کا ایک مقرب شاگرد تھا۔جس نے مختار کو قاتلین حسینؓ سے انتقام لینے پر اکسایا تھا اور فرقہ کیسانیہ اسی کیسان کی طرف منسوب ہے۔

بہر حال مختار کو اس دعوت میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔کوفہ اور اسکے گردونواح میں سترہ ہزار کے قریب لوگ اس کے پیرو بن گئے۔ان دنوں عراق کا علاقہ عبداللہ بن زبیرؓ کے قبضہ میں تھا اور خاصے انتشار کا شکار بنا ہوا تھا۔مختار نے آغاز میں زبیریوں کو اس علاقہ میں بے اثر کر دیا۔مختار وحی والہام کا بھی مدعی تھا اس نے کئی پیشگوئیاں کیں جو پیشگوئی پوری ہو جاتی اسے وہ اپنی صداقت کے طور پر پیش کرتا اور جو پوری نہ ہوتی اس کے بارہ میں کہتا کہ خدا نے ارادہ بدل لیا ہے۔ اس تبدیلی وارادہ کا اس نے اصطلاحی نام ''بداء'' رکھا۔نظریہ بداء پہلی دفعہ مختار نے ہی پیش کیا تھا اس کے بعد بعض اور شیعہ فرقوں نے اس سے متعدد بار کام لیا۔جیسا کہ شیعہ اثنا عشریہ کے بیان میں ذکر آ چکا ہے۔

کیسانیہ فرقہ کے خصوصی نظریات یہ ہیں:

کیسانیہ کا ایک گروہ کہتا تھا کہ محمد بن الحنفیہ ''مہدی منتظر'' ہیں۔وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ رضویٰ پہاڑ میں پناہ گزین ہیں۔وہاں شہد اور پانی کے چشمے سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں اور ایک شیر ان کی حفاظت پر مامور ہے۔ وہ اپنے وقت پر ظاہر ہونگے اور دشمنوں کو ہلاک کریں گے۔ایک کیسانی شاعر کثیر عزہ اس بارہ میں کہتا ہے

تغیب لا یریٰ فیھم زمانا

برضویٰ عندہ عسل و ماء

یہ بھی کہا گیا کہ محمد بن الحنفیہ کو رضوی پہاڑ میں ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے قید کیا گیا تھا یعنی اللہ کی طرف سے ان کو یہ سزا دی گئی کیونکہ انہوں نے امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید کے پاس جا کر معذرت کی تھی اور اس سے مال (عطاء) قبول کیا تھا۔ان کی دوسری غلطی یہ تھی کہ انہوں نے ابن زبیر کا مقابلہ نہ کیا بلکہ مکہ سے بھاگ کر عبدالملک بن مروان کی پناہ میں آنے کی کوشش کی۔

کیسانیہ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ محمد بن الحنفیہ فوت ہو گئے ہیں اور ان کے بعد ان کے لڑکے ابو ہاشم عبداللہ بطور وصی امام مقرر ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی وفات کے وقت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں وصیت کی اور ان کو اپنا جانشین بنایا۔یہاں سے ہی بنو امیہ کے خلاف چلائی گئی خفیہ تحریک علویوں کے ہاتھوں سے نکل کر عباسیوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور بالآخر دولت عباسیہ کے قیام پر منتج ہوئی۔ چنانچہ یہ تحریک جو بنو امیہ کے خلاف شروع کی گئی تھی جب کامیاب ہوئی تو محمد بن علی کے بھائی ابوالعباس سفاح اور ان کی وفات کے بعد ابو جعفر منصور مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور دولت عباسیہ میں بھی علوی بدستور زیر عتاب رہے اور ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔

کیسانیہ کے ایک اور گروہ کا دعویٰ تھا کہ امام ابو ہاشم نے اپنے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب کے پڑپوتے عبداللہ بن معاویہ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔چنانچہ عباسیوں کی خفیہ تحریک کے فروغ سے کچھ پہلے عبداللہ بن معاویہ کے گروہ کو خاصی کامیابی نصیب ہوئی اور یہ گروہ عراق اور خراسان کے علاقوں پر قابض بھی ہو گیا لیکن یہ قبضہ عارضی ثابت ہوا۔ابو مسلم خراسانی جو عباسیوں کا حامی تھا اس نے عبداللہ بن معاویہ کی تحریک کو کچل دیا اور عبداللہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور وہ قید کی حالت میں ہی فوت ہوئے۔عبداللہ کے پیرو

عبداللہ کی الٰہیت کے قائل ہیں اور تناسخ کے نظریہ کو مانتے ہیں۔ کما سیجیئی۔

اعتدال پسند فرقوں کے بارہ میں اہل سنت کا مسلک

علامہ بغدادی صاحب کتاب ''الفرق بین الفرق'' اعتدال پسند فرقوں کے بارہ میں امامیہ، زیدیہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ فرقے جو غلو میں حد سے نہیں بڑھے وہ اپنی بدعات کے باوجود بعض احکام میں امت اسلامیہ کا حصہ ہیں اور اس میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ لکھتے ہیں: هو من جملة امة الاسلام فی بعض الاحکام وهو ان یدفن فی مقابر المسلمین ولا یمنع من دخول مساجد المسلیمن و من الصلوٰة فیها و یخرج فی بعض الاحکام عن امة الاسلام و ذالک انه لا تجوز الصلوٰة علیه ولا الصلوٰة خلفه ولا تحل ذبیحته ولا تحل المرأة منهم للسنی ولا یصح نکاح السنیه من احد منهم۔ **(الفرق صفحه ١٦٧)**

شیعوں کے بعض غلو پسند فرقے جو امت مسلمہ میں شامل نہیں سمجھے جاتے

۱۔**السبئیة:** یہ فرقہ عبداللہ بن سبا کا پیرو تھا۔ اس فرقہ کے بعض لوگ حضرت علیؓ کو نبی مانتے تھے اور بعض انہیں خدا کہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو ان کی اس قسم کی گمراہیوں کا علم ہوا۔ تو آپ نے حضرت ابن عباسؓ کے مشورہ سے اس گروہ کے سرغنہ عبداللہ بن سبا کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا لیکن وہاں بھی وہ شرارت سے باز نہ آیا۔ خفیہ طور پر عقائد باطلہ پھیلاتا رہا کیونکہ اس کا اصل مقصد امت مسلمہ میں انتشار پھیلانا تھا جس کے لئے اس نے اہل بیت سے محبت اور موالات کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد عبداللہ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ علی قتل نہیں ہوئے بلکہ شیطان قتل ہوا ہے جس نے علی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کا قول تھا کہ '' **ان علیا صعد الی السماء کما صعد عیسیٰ و انه سینزل الی الدنیا وینتقم من اعداء ہ**''

عبداللہ بن سبا حضرت علیؓ کو مہدی منتظر قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ بادلوں میں جو بجلی کوندتی ہے وہ علی کا کوڑا ہے اور گرج علی کی آواز ہے۔ اس طرح بعض کے نزدیک عبداللہ بن سبا یہ بھی کہتا تھا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور علی آنحضرت ﷺ کے وصی ہیں۔ **أی انه وجد فی التوراة ان لکل نبی وصیا و ا ن علیا وصی محمد ﷺ و انه خیر الاوصیاء**'' گویا علیؓ کے وصی ہونے کے نظریہ کا موجد عبداللہ بن سبا ہے۔

۲۔**البیانیه:** یہ فرقہ بیان بن سمعان کا پیرو تھا ان کا دعویٰ تھا کہ امام محمد بن الحنفیہ کے بیٹے امام ابو ہاشم مہدی منتظر ہیں اور انہوں نے نہ تو محمد بن علی عباسی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور نہ عبداللہ بن معاویہ جعفری کو بلکہ انہوں نے اپنے مقرب شاگرد بیان بن سمعان کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ روح الٰہ حضرت علیؓ سے منتقل ہو کر ان کے بیٹے محمد بن الحنفیہ میں اور اس کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم میں حلول کئے رہی اور ان کے بعد بیان بن سمعان میں آ بسی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ '**ان روح الالٰه تناسخت فی النبیاء و الآئمة حتی انتقلت الی بیان ابن سمعان التمیمی**' بیان اس بات کا بھی مدعی تھا کہ آیت کریمہ ﴿**هذا بیان للناس**﴾ میں اس کا ذکر ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ **انا البیان و انا الهدیٰ والموعظۃ** بیان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے جس کی طاقت سے وہ دنیا میں انقلاب بپا کر سکتا ہے۔ بیان کا نظریہ تھا کہ چہرہ کے سوا خدا کا سب وجود فنا ہو جائے گا (العیاذ باللہ) کیونکہ قرآن کریم میں وارد ہے ﴿کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام﴾ (الرحمان ۲۸،۲۷)۔ اور سورہ القصص میں فرمایا ﴿کل شیی ء هالک الا وجهه﴾ (القصص ۸۹)۔

بیانیہ کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ بیان اللہ کا نبی ہے اور اس نے مبعوث ہو کر شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دیا ہے۔

عراق کے اموی حاکم خالد بن عبداللہ القسری نے بیان کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے گرفتار کر لیا اور اسے سولی دینے سے پہلے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' ان کنت تهزم الجیوش بالاسم الاعظم الذی تعرفه فاهزم به اعوانی''

۳۔**المغیریه:** یہ فرقہ مغیرہ بن سعید العجلی کا پیرو تھا۔ مغیرہ پہلے امام محمد باقر کا عقیدت مند تھا۔ پھر ان کی امامت کے بارہ میں شک کرنے لگا اور ان کی وفات کے بعد امام جعفر صادق کی امامت قبول کی پھر امام محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ کا عقیدت مند بن گیا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ یہ محمد ہی ''مہدی منتظر'' ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مغیرہ نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ بھی اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے اور وہ اس کی طاقت سے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ اس کا یہ نظریہ بھی تھا کہ خدا ایک نورانی انسانی شکل رکھتا ہے اور اس کے اعضاء حروف ہجاء کی صورت پر ہیں۔ وہ یہ بھی مانتا تھا کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسم اعظم بولتا ہے'' **سبح اسم ربک الاعلیٰ**'' میں اسی اسم اعظم کی طرف اشارہ ہے۔ وہ نظریہ تخلیق کی یوں تشریح کیا کرتا تھا کہ خدا نے جب اسم اعظم بولا تو وہ اسم اعظم اس کے سر کا تاج بن گیا پھر اس نے اپنی انگلی سے ہتھیلی پر اپنے بندوں کے اعمال اور ان کی تقدیریں لکھیں۔ جب اسے اپنے بندوں کے گناہ نظر آئے تو اسے سخت غصہ آیا اور غصہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ یہ پسینہ دو سمندر بن گیا ایک شیریں اور ایک نمکین اور تلخ۔ شیریں سمندر سے شیعہ پیدا ہوئے اور کڑوے سمندر سے شیعوں کے دشمن کافر۔ سمندر کے پانی میں خدا کو اپنا سایہ نظر آیا تو خدا

اسے پکڑنے کے لئے دوڑا کہ اسے فنا کردے تا کہ وہ سایہ اور ظل دوسرا خدا نہ بن سکے۔ چنانچہ اس نے اپنے سایہ کو پکڑ کر فنا کر دیا لیکن اس کی دو آنکھیں بچ گئیں۔ چنانچہ ایک آنکھ سے سورج پیدا ہوا اور دوسری سے چاند۔

دوسری اشیاء کی تخلیق کا آغاز پانی سے ہوا اور آیت کریمہ ﴿ قل ان كان للرحمان ولد فانا اول العابدين ﴾ (الزخرف:۸۲)۔ میں ظل محمد کی طرف ہی اشارہ ہے پھر ظل محمد سے دوسرے اظلال الناس پیدا ہوئے۔ مغیرہ نے آیت کریمہ ﴿ انا عرضنا الامانة على السماوات والارض والجبال ﴾ (الاحزاب:۷۳)۔ کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے کہ امانت سے مراد حضرت علی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حمایت اور حفاظت کی ذمہ داری آسمان و زمین اور پہاڑوں کو سونپنی چاہی۔ لیکن انہوں نے معذرت کی کہ وہ یہ وہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے۔ اس موقعہ پر عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ تم یہ ذمہ داری قبول کرلو اور اگر تم اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنانا منظور کرلو تو میں اس معاملہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور دنیا میں جا کر اس ذمہ داری سے مکر جائیں گے اور علی کی حمایت و حفاظت نہیں کریں گے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں الفاظ ''انسان ظلوم جهول'' سے مراد ابوبکر ہیں اور آیت کریمہ ﴿ كمثل الشيطان اذ قال للانسان اكفر فلما قال انى برى ء منك ﴾ (الحشر:۱۷) میں شیطان سے مراد (العیاذ باللہ) عمر ہیں اور 'الانسان' سے ابوبکر۔

مغیرہ اور اس کے گروہ کے دوسرے سرغنوں کو بھی خالد بن عبداللہ القسری نے ہی گرفتار کر کے سب کو تار کول سے جلا دیا۔

۴۔ **الازلیہ:** یہ فرقہ علیؓ اور عمرؓ دونوں کے ازلی ہونے کا قائل تھا البتہ وہ علی کو ''نور'' اور نمائندہ خیر مانتا تھا اور عمر کو ظلمت اور نمائندہ شر جو علی کو پریشان کرنے کے لئے مقرر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فرقہ نے یہ خیال مجوس اور ثنویہ سے مستعار لیا ہے۔

۵۔ **المنصوریه:** یہ فرقہ ابومنصور العجلی کا پیرو تھا۔ ابومنصور امام محمد باقر کا مقرب شاگرد تھا۔ ان کی وفات کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ وہ امام محمد باقر کا نائب اور وصی ہے۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ آیت کریمہ ﴿ و ان يروا كسفاً من السمآء ساقطاً ﴾ میں کسف سے مراد وہ خود ہے اس نے آسمان پر جا کر اللہ سے اپنے سر پر ہاتھ پھروایا۔ اور پھر وہاں سے نازل ہو کر دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا۔ اس کا یہ نظریہ بھی تھا کہ سات نبی قریش سے مبعوث ہوئے ہیں اور سات ہی اس کے قبیلہ بنو عجل سے مبعوث ہونگے۔ اس فرقہ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ قیامت سے مراد اسی دنیا کے انقلاب ہیں۔ نعماء دنیا جنت ہیں اور مصائب الدنیا دوزخ۔ ابومنصور اپنے پیروؤں کو یہ تلقین کرتا تھا کہ جب بھی موقعہ ملے اپنے مخالفین کا گلا گھونٹ دیا کرو۔ والئ عراق یوسف ثقفی نے جو حجان ثقفی کا بھتیجا تھا۔ ابومنصور کو گرفتار کر کے سولی دے دیا اور اس کے اتباع کو مختلف علاقوں میں تتر بتر کر دیا۔

۶۔ **الجناحیه:** یہ فرقہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا پیرو تھا۔ اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ امام محمد بن الحنفیہ کے بیٹے ابوہاشم کے وصی ہونے کا امام عبداللہ مذکور کو دعویٰ تھا۔ یہ بڑے خطیب اور فصیح البیان بزرگ تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان کی بیعت اطاعت کی اور یہ فارس اور اصفہان کے وسیع علاقوں پر قابض ہو گئے۔ لیکن یہ غلبہ عارضی ثابت ہوا۔ ابومسلم خراسانی کے ہاتھوں ان کے اتباع شکست کھا گئے۔ اور خود عبداللہ اس کے قید خانہ میں بحالت قید فوت ہوئے۔ امام عبداللہ کی وفات کے بعد بعض زندیق طبع لوگوں نے ان کے پیروؤں کو گمراہ کیا بہر حال ان کے اتباع کا نظریہ تھا کہ خدا کی روح مختلف انبیاء اور ائمہ میں حلول کرتی اور منتقل ہوتی ہوئی امام عبداللہ میں آ بسی تھی۔

جناحیہ اباحت کے بھی قائل تھے چنانچہ شراب، زنا، لواطت اور دوسرے محرمات کو جائز سمجھتے تھے اور ہر قسم کی عبادت سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ یہ اپنے ان نظریات کے درست ہونے کا استدلال اس آیت کریمہ سے پیش کرتے تھے، ﴿ ليس على الذين آمنوا و عملوا الصلحت جناح فيما طعموآ اذا ما اتقوا و آمنوا ﴾ (المائدہ :۹۴)۔ اس آیت میں چونکہ جناح کا لفظ آیا ہے اس لئے اس فرقہ کو اس آیت سے استدلال کرنے کی وجہ سے جناحیہ کہا گیا ہے۔

یہ فرقہ احکام شریعت کی تاویل کرتا تھا مثلاً کہتا تھا کہ صلوٰۃ سے مراد اہل بیت کی محبت، موالات اور ان کی اطاعت ہے اور محرمات سے مراد ان کے دشمنوں سے بغض اور نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فرقہ صحابہ کرامؓ سے شدید بغض رکھتا تھا۔ یہ فرقہ تناسخ کا بھی قائل تھا۔

۷۔ **الخطابیه:** یہ فرقہ ابوالخطاب محمد بن ابی زینب کا پیرو تھا۔ ابوالخطاب امام جعفر صادقؒ کا مقرب شاگرد رہا تھا ان کی وفات کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ وہ امام جعفر کا نائب ہے۔ امام جعفر کی زندگی میں ہی ابوالخطاب یہ عقیدہ ظاہر کرنے لگا کہ ائمہ اہل بیت نبی ہیں پھر کہا کہ وہ الٰـــہ ہیں۔ حسنؓ حسینؓ اور ان کی اولاد ابناء اللہ ہیں۔

ابوالخطاب کے اس قسم کے باطل عقائد کا جب امام جعفر کو علم ہوا تو انہوں نے اسے ملعون قرار دیا اور اپنی مجلس سے نکال دیا۔

ابوالخطاب نے امام جعفر کی وفات کے بعد الٰہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیرو کہا کرتے تھے کہ ''**ان جعفر الٰہ ولکن ابا الخطاب افضل منه بل هو افضل من علی**''

ابوالخطاب کو عباسی والی عیسیٰ بن موسیٰ نے گرفتار کر کے سولی دے دیا۔

خطابیہ کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اگر ان کے ہم عقیدہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو اس کے حق میں اور اس کے مخالف کے خلاف جھوٹی گواہی دینا کار ثواب ہے۔

خطابیہ کا یہ نظریہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام ناطق ہوتا ہے اور دوسرا امام صامت۔ ناطق کی وفات کے بعد صامت ناطق بن جاتا ہے اور کوئی دوسرا صامت کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً آنحضرت ﷺ امام ناطق تھے اور علی امام صامت اور حضورؐ کی وفات کے بعد علی امام ناطق بن گئے۔ اسی طرح امام جعفرؒ اپنے عہد میں امام ناطق تھے اور ابوالخطاب امام صامت۔ پھر امام جعفر کی وفات کے بعد وہ امام ناطق بن گیا۔

خطابیہ تناسخ کے قائل اور قیامت کے منکر تھے۔ صحابہ کرام کی تکفیر کرتے اور اباحت کے نظریہ پر عمل پیرا تھے۔

(الفرق صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۰۔ فرق الشیعہ صفحہ ۴۲ تا ۴۴)

۸۔ **الغرابیہ:** اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ اصل میں جبرائیل حضرت علی کی طرف وحی لائے تھے لیکن ان کی شکل چونکہ محمد (ﷺ) سے بہت ملتی تھی اس لئے جبرائیل کو دھوکہ لگ گیا اور انہوں نے علی کی بجائے محمد پر وحی اتار دی اس لئے اصل رسول علی اور ان کی اولاد ہے۔ چونکہ یہ لوگ علی اور آنحضرت ﷺ کی شکل کی مشابہت کے لئے ''**کالغراب بالغراب والذباب بالذباب**'' کی تمثیل استعمال کیا کرتے تھے اس لئے ان کا نام غرابیہ پڑ گیا۔ یہ فرقہ اس مزعومہ غلط وحی کی وجہ سے حضرت جبرائیل سے نفرت کا اظہار کرتا تھا۔ (الفرق بین الفرق صفحہ ۱۹۰)۔

۹۔ **المفوضہ:** اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ تدبیر عالم آنحضرت ﷺ کے سپرد ہے اس لئے وہ مدبر اول اور خالق کائنات ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے یہ فریضہ حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا اس لئے وہ مدبر ثانی ہیں۔ اس طرح گویا یہ دونوں کائنات کی تخلیق اور تدبیر میں شریک ہیں۔ (الفرق صفحہ ۱۹۱)

۱۰۔ **الذمیہ:** یہ فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ علی خدا ہے اس نے محمدؐ کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ علی کے اقتدار کی منادی کریں لیکن انہوں نے علی کے اقتدار کی منادی کرنے کی بجائے اپنی عظمت کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اسی لیے یہ فرقہ آنحضرت ﷺ کے خلاف ہے اور کہتا ہے **انه ادعی الامر لنفسه**۔ (الفرق صفحہ ۱۹۱)

۱۱۔ **الشریعیة:** یہ فرقہ شریعی نامی ایک زندیق کا پیرو تھا۔ اس فرقے کا نظریہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پنجتن پاک یعنی پانچ ائمہ میں حلول کئے ہوئے ہے اس لئے یہ پانچوں کے پانچوں اللہ ہیں۔

روافض میں سے مندرجہ ذیل فرقے کسی نہ کسی رنگ میں حلول اور آئمہ کے اللہ ہونے کے قائل ہیں۔

السبئیه، البیانیه، الجناحیه، الخطابیه، الشریعیه

یہ سب فرقے اگرچہ نابود ہو چکے ہیں تاہم ان کے نظریات فاسدہ کسی نہ کسی صورت میں موجودہ فرقوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً آغا خانی حلول کے قائل ہیں۔ امام ناطق، تناسخ اور اباحت کے نظریہ کو مانتے ہیں اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ۔ اور باطن کو صرف امام الزمان اور اس کے داعی جانتے ہیں۔

گمراہ فرقوں کے قائدین کی اصلیت

مذکورہ تصریحات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان فرقوں کے قائدین زیادہ تر موالی اور فارسی عناصر تھے۔ جن میں مجوسی، یہودی اور عیسائی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مل جل گئے ہیں اور ائمہ اہل بیت کی آڑ لے کر یہ اپنے فاسد عقائد کا بیج نومسلموں کے دلوں میں بوتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات تو ائمہ اہل بیت کو ان کے اس قسم کے عقائد اور ان کی سرگرمیوں کی خبر تک نہ ہوتی تھی جو ان کی طرف منسوب کر کے یہ باطل پرست پھیلا رہے ہوتے تھے کیونکہ دور رہنے والے عوام کی پہنچ ان ائمہ اہل بیت تک نہ تھی۔ اور اگر کبھی ائمہ اہل بیت کے علم میں ایسی باتیں آجاتیں اور وہ ان کی تردید کرتے تو یہ ابلیس کے نمائندے عوام کالانعام کو یہ کہہ دیتے کہ دراصل ائمہ تقیہ کرتے ہیں ان کے اصل خیالات وہی ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں لیکن فتنہ سے بچنے کے لئے انہوں نے کچھ اور ظاہر کیا ہے۔ یا یہ لوگ عوام تک ائمہ کی بات پہنچنے نہ دیتے تھے اور امام کی وفات کے بعد اس کے خود ساختہ وصی بن کر اقتدار پر قابض ہو جاتے اور اسطرح عوام کو لوٹتے اور انہیں گمراہ کرتے جیسا کہ امام جعفر صادق کی سوانح حیات سے ظاہر ہے کہ ان کی طرف متضاد قسم کے ایسے خیالات اور نظریات منسوب کئے گئے ہیں جو امام ہدیٰ کی شان کے بالکل خلاف ہیں۔ غرض یہ سب کچھ انہی تلبیسی عناصر کی کارستانی تھی۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۸ر جولائی ۱۹۹۷ء تا ۲۴ر جولائی ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۴

بنو عباس اور باطنی تحریکات

بنو امیہ کے خلاف جو خفیہ تحریک علویوں اور عباسیوں کی طرف سے چلائی گئی تھی وہ بنو امیہ کی حکومت کے خاتمہ اور بنو عباسؓ کے اقتدار پر منتج ہوئی۔ اس خفیہ تحریک میں

بالعموم عربوں سے دشمنی کا عنصر غالب تھا۔ اس تحریک کے ذریعہ مصری اور یمنی عربوں میں پھوٹ ڈلوائی گئی اور پرانی عصبیت کو زندہ کیا گیا۔ خراسانی عناصر کو آگے کیا گیا جس کی وجہ سے بنو امیہ یا بالفاظ دیگر عرب شکست کھا گئے اور عجمی عناصر کا اثر و رسوخ بڑھ گیا۔ بہر حال اس کامیابی سے نہ علوی خوش تھے اور نہ وہ عناصر جن کی توقعات پوری نہ ہوئی تھیں۔ اس لئے خفیہ تحریکات کا خاتمہ نہ ہوا بلکہ ان کا رخ بنو عباس کی طرف پھر گیا۔ چنانچہ ان عناصر میں سب سے زیادہ مؤثر فوجی انداز کی مخالفت ابو مسلم خراسانی کی تھی جس کے حامیوں کا بنو عباسؓ کی کامیابی میں بڑا مؤثر کردار تھا۔ ابو مسلم کا خیال تھا کہ اس کی حمایت کی وجہ سے بنو عباسؓ اس کے زیر اثر رہیں گے اور اس طرح خراسانی عناصر بڑی آسانی سے اقتدار میں اپنا حصہ حاصل کر سکیں گے۔ ابو مسلم خراسانی کا اسلام بھی پختہ نہ تھا۔ بہت سے پرانے آبائی عقائد کا اس پر گہرا اثر تھا وہ تناسخ کا قائل تھا اور بھی بہت سے خلاف اسلام عقائد وہ رکھتا تھا اس نے اپنے حامیوں میں اس تصور کا بھی اظہار کیا تھا کہ الحق الالھی 'یعنی خلافت الٰہیہ کے زیادہ حقدار عباسؓ تھے یہ الٰہی قوّۃ عباسؓ سے ان کی اولاد میں منتقل ہوئی اور چلتے چلتے بنو عباس کے پہلے خلیفہ ابو العباس عبداللہ السفاح میں جاگزیں ہوگئی ان کے بعد خلافت کا یہ منصب الٰہی اشارہ کے تحت ابو مسلم خراسانی کے سپرد ہوا۔

بنو عباس کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور نے جب دیکھا کہ ابو مسلم خراسانی اقتدار کے خواب دیکھ رہا ہے اور اس کے حامیوں کے تیور بدلے ہوئے ہیں تو اس نے ایک سازش کے تحت ابو مسلم خراسانی کو قتل کرا دیا۔ یہ ۱۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ اس قتل کی وجہ سے ابو مسلم کے بعض حامی بپھر گئے اور خراسان کے بعض علاقوں میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہی بغاوتوں میں سے ایک بغاوت سنباذ کی تھی جو منصور کے مقابلہ میں آیا لیکن بری طرح شکست کھائی اس لڑائی میں سنباذ کے قریباً ساٹھ ستر ہزار حامی مارے گئے اور چودہ ہزار قید ہوئے جن کی بعد میں گردنیں اڑا دی گئیں۔ لیکن یہ شورش اندر ہی اندر پنپتی رہی۔

الرزامیہ

چنانچہ ابو جعفر منصور کے بعد مہدی کے عہد خلافت یعنی ۱۵۸ھ کے قریب الرزامیہ کی شورش اٹھی جو رزام نامی ایک زندیق کے پیرو تھے اور ابو مسلم خراسانی سے شدید محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب حق الٰہی یعنی امامت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو ملی تو ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم الامام کو عطاء ہوئی پھر ان کے بھائی ابو العباس عبداللہ السفاح کی طرف منتقل ہوئی اور السفاح کے بعد ابو مسلم خراسانی اس کے وارث بنے۔ المقنعیہ فرقہ اسی الرزامیہ کی ہی شاخ ہے جن کا لیڈر اس زمانہ کے لحاظ سے ایک ماہر کیمیا دان اور شعبدہ باز ہاشم بن حکیم المروزی تھا جو المقنع کے لقب سے ہے۔ یہ شخص اس بات کا مدعی تھا کہ اللہ نے اس میں حلول کیا ہے اس لئے وہ خدائی طاقتوں کا مالک اور عالم الغیب ہے وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ خراسانی ترکستان کے پہاڑی علاقوں میں اس نے چند مضبوط قلعے بنائے اور اس کے شعبدوں کے طفیل ہزاروں پہاڑی لوگ جن میں خلجی ترک بھی شامل تھے اس کے مرید بن گئے۔ اس نے قتل و غارت اور چھاپے مار جنگ کی وجہ سے اردگرد کے مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا دی تھی۔ کہا جاتا ہے المقنع جس قدر ذہین، ہوشیار، کیمیا دان اور شعبدہ باز تھا اسی قدر بدشکل اور کریہہ المنظر بھی تھا، چیچک کے داغوں کی وجہ سے اس کا چہرہ بڑا خوفناک اور بھیانک بن گیا تھا اس نے اپنے اس عیب کو چھپانے کے لئے ایک ریشمی رومال تیار کیا جسے وہ پبلک کے سامنے آتے وقت اپنے چہرہ پر ڈالے رکھتا اور کہتا کہ میں اپنا چہرہ اس لئے ننگا نہیں کرتا کہ کہیں لوگ میرے نور اور جلال سے جل بھن نہ جائیں۔ اس نے اپنے پہاڑی قلعہ پر ایسا انتظام بھی کیا تھا کہ چاند کی شکل کا ایک شعلہ پہاڑی قلعہ کی ایک طرف سے اٹھتا اور آہستہ آہستہ چلتے چلتے دوسری طرف جا کر چھپ جاتا جسے قلعہ سے دور کے پہاڑی لوگ سمجھتے کہ چاند ہے کہ ان کے اللہ کے تصرف میں ہے۔ بعض اوقات رات کے وقت قلعہ کے اندر روشنیاں بھی پھوٹتیں جن کے بارہ میں اس نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ یہ اس کے جلال اور نور کا ظہور ہے۔ بہر حال اردگرد کے علاقوں کے ان پڑھ لیکن بہادر اور فدائی قسم کے لوگ اس کی ان شعبدہ بازیوں کی وجہ سے اس کے گرویدہ ہو گئے۔ وہ سب اس پر فدا ہونے کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔ یہ گویا کچھ عرصہ بعد اٹھنے والی حسن بن صباح کی دہشت پسند تحریک کا مقدمۃ الجیش تھا۔ المقنع کی تحریک کو ختم کرنے کے لئے کئی لشکر بھیجے گئے۔ پہاڑی علاقہ تھا اور قلعوں کی وجہ سے مقنع کا دفاع بڑا مضبوط تھا۔ بہر حال ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر سعید بن عمرو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وہاں پہنچا سعید نے المقنع کے قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کے لئے لوہے اور لکڑی کی دو سو سیڑھیاں بنوائیں اور قلعہ کے اردگرد کھودی گئی خندق کو پاٹنے کے لئے اس نے ملتان کے علاقہ سے دس ہزار بھینسوں کی کھالیں منگوائیں جنہیں ریت سے بھر کر خندق میں پھنکوایا گیا تا کہ ان کے اوپر سے فوجیں گزر سکیں۔ غرض چودہ سال کی مسلسل اور شدید جنگ کے بعد المقنع کے زور کو توڑا جا سکا۔ المقنع نے جب دیکھا کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے تو وہ اپنے تیار کردہ ایک ''تیزابی محلول'' کے حوض میں ڈوب مرا جس میں اس کا جسم تحلیل ہو کر نابود ہو گیا۔ جب مسلمان فوجیں قلعہ میں داخل ہوئیں تو المقنع کا وہاں نام و نشان بھی نہ تھا اس کے اس طرح غائب ہو جانے کو اس کے متبعین نے اس کا معجزہ سمجھا اور وہ یہ ماننے لگے کہ المقنع آسمان پر چڑھ گیا ہے شکست کے بعد اس کے حامیوں میں سے تیس ہزار نے امان طلب کی اور باقی ہزاروں مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔

المقنع کا دعویٰ تھا کہ وہ ایسا اللہ ہے جو آدم اور دوسرے انبیاء میں منتقل ہوتے ہوئے ابو مسلم خراسانی میں آیا اور اب اس کی شکل میں دنیا پر جلوہ گر ہوا ہے اس کا کہنا تھا کہ ''انّما انتقل فی الصور المختلفة لانّ عبادی لا یطیقون رؤیتی و من رأنی احترق بنوری'' کہ میں مختلف صورتوں میں منتقل ہوتا رہا ہوں تا کہ لوگ مجھے دیکھ سکیں کیونکہ

میرے بندے یہ طاقت نہیں رکھتے کہ وہ میری حقیقی شکل میں مجھے دیکھ سکیں۔ اگر کوئی میرا جلوہ دیکھ لے تو میرے نور کی وجہ سے جل جائے۔ اس نے اپنے پیروؤں کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میری اطاعت کے بعد نہ کسی نماز روزہ کی ضرورت ہے اور نہ محرمات سے بچنے کی۔

اس کے پیرو اباق اور خلجی ترک تھے۔ یہ لوگ اپنی آبادیوں میں مسجدیں بناتے ان میں مؤذن رکھتے جو وقت پر آذان دیتے لیکن نماز پڑھنے کوئی نہ آتا اور اگر کوئی غیر مقنعی ان کی بستیوں میں آجاتا اور مؤذن اس کو نہ دیکھ پاتا یعنی آذان کا وقت نہ ہوتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔

الخرمیہ

۲۰۱ھ میں جبکہ المعتصم عباسی خلیفہ تھا خراسان کے علاقہ آذربیجان اور طبرستان میں ایک اور بغاوت اٹھی۔ اس بغاوت کا قائد بابک خرّمی تھا وہ بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا۔ خلیفہ المعتصم نے اس سے لڑنے کے لئے متعدد لشکر بھیجے، ہزاروں لوگ مارے گئے لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ عباسی لشکر شکست کھا کر پسپا ہوتے رہے۔ یہ لڑائیاں قریباً بیس سال تک جاری رہیں آخر عباسی حکومت کے قابل جرنیلوں افشین۔ محمد بن یوسف الثغری اور ابودلف العجلی کی متحدہ کوششوں سے بڑے خون ریز معرکوں کے بعد ۲۲۳ھ میں کامیابی حاصل ہوئی بابک خرّمی اور اس کا بھائی اسحاق پکڑے گئے اور بنوعباس کی مشہور چھاؤنی سرمن رای میں دونوں کو پھانسی دے دی گئی۔

بابک خرمی کے ماننے والے خرّمیہ کہلاتے تھے۔ مجوسیوں کی طرح بہت سے محرمات کی اباحت کے قائل تھے۔ مثلاً بہنوں اور پوتیوں سے نکاح جائز سمجھتے تھے۔ قدیم مصری اور سیریانز بابلی اور قدیم ایرانی تہذیب میں تحفظ نسل وخاندان کی خاطر بہن بھائی کی شادی کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہسٹری آف سیریا (تاریخ شام آف فلپ ہٹی۔ ترجمہ بنام تاریخ شام صفحہ ۳۰۳) اسی طرح بیویوں کے تبادلہ کے بھی قائل تھے۔ المعتصم کا فوجی جرنیل افشین بھی خرمی تحریک سے متاثر تھا اور اسی کے تسامح کی وجہ سے جنگ نے اتنا طول کھینچا تھا چنانچہ شکایت ہونے پر جب تحقیق کی گئی تو حقیقت کا پتہ چلا اور اس الزام میں المعتصم نے افشین کو قتل کرا دیا۔

البرامکہ اور باطنی تحریک

کہا جاتا ہے کہ البرامکہ بھی باطنی تحریک کی طرف مائل اور مجوسی نظریات سے متاثر تھے۔ انہوں نے مختلف مساجد میں بخور جلانے کے لئے انگیٹھیاں بنانے کی تحریک چلائی اور ہارون الرشید کو ترغیب دی کہ وہ خانہ کعبہ میں بھی ایک بہت بڑی بھٹی تعمیر کرائیں جس میں ہروقت بخور عود اور دوسری مختلف خوشبوئیں جلتی رہیں۔ چنانچہ علامہ بغدادی برامکہ کی ان خفیہ مساعی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "كانت البرامكة قد زيّنو للرشيد ان يتّخذ فى جوف الكعبة مجمرة يتبخّر عليها العود ابداً فعلم الرّشيد انّهم ارادوا من ذالک عبادة النّار فى الكعبة و ان يصيرالكعبة بيت النّار فكان ذالک احد اسباب قبض الرّشيد على البرامكة" (الفرق صفحہ ۲۱۶) یعنی برامکہ نے کوشش کی کہ رشید اس بات پر آمادہ ہو جائے کہ خانہ کعبہ کے اندر خوشبو جلانے کی ایک بھٹی بنائی جائے جس میں بخور اور عود ہمیشہ جلتی رہا کرے۔ ایک طرح سے ان کی یہ کوشش تھی کہ کعبہ میں آگ کی پوجا کی کوئی صورت نکل آئے۔ رشید نے برامکہ پر جو سختیاں کیں ان کی وجوہات میں سے ایک وجہ برامکہ کی یہی خطرناک کوشش تھی جس کا رشید نے نوٹس لیا۔

قسط نمبر ۵

الاسماعیلیہ (اسماعیلی شیعہ)

شیعہ فرقوں میں سے تین فرقوں نے تاریخ اسلام کے ادوار کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ شیعہ زیدیہ، شیعہ اثنا عشریہ اور شیعہ اسماعیلیہ۔

شیعہ اسماعیلیہ کی بنیاد سرّ اور خفاء پر تھی۔ اس لئے اسے جمعیات سریہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ خود اسماعیلیہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی دینیاتی اور نظریاتی تعلیم میں خفاء اور سرّ ہے۔ وہ اپنے بنیادی عقائد نہ ہر ایک کو بتاتے ہیں اور نہ عوام میں ان کی اشاعت کرتے ہیں۔ اس لئے ان تک پہنچنے کے لئے ان کے اپنے ذرائع کی بجائے دوسرے ذرائع پر انحصار کرنا پڑتا ہے جن میں بعض غیر جانبدار ذرائع ہیں اور بعض جانبدار اور تعصب کا رنگ لئے ہوئے۔ بہر حال اس فرقہ کی تفصیلی تاریخ کے لئے دو نقطہ ہائے نظر ہیں ایک وہ جس کے ایک حد تک درست ہونے کو خود اسماعیلی بھی تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرا نظریہ وہ ہے جو اسماعیلی شیعوں کے مخالف گروہ جن میں سنی بھی ہیں اور دوسرے سر برآوردہ شیعہ فرقے بھی۔

پہلے نقطہ نظر کا پس منظر یہ ہے کہ بنو ہاشم خاص طور پر علوی (یعنی اولادِ علیؓ) بنوامیہ کی حکومت کو ایک غاصب اور ظالم حکومت سمجھتے تھے۔ پہلے پہلے انہوں نے بنی امیہ کا مقابلہ میدان جنگ میں کرنا چاہا لیکن ناقابل اعتبار حمایت کی وجہ سے ناکام رہے اور بری طرح شکست کھائی اور حکومت وقت کے زیر عتاب آ گئے۔ خصوصاً زیاد اور حجاج کے زمانہ میں ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔ ایسے حالات میں بنوامیہ کے ان مخالف عناصر نے اپنی تحریک کو خفیہ رنگ دے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں سر برآوردہ علویوں اور عباسیوں نے

باہمی مشورہ سے ایک جارحیت پسند خفیہ تنظیم قائم کی جس کا سربراہ محمد النفس الزکیہ بن عبداللہ بن حسن کو منتخب کیا گیا اوران کی بیعت بطور امام مہدی کی گئی۔اس تحریک میں بنوعباس ؓ پیش پیش تھے۔اس تنظیم نے اپنے داعی اور مبلغ دور دراز کے علاقوں میں بھجوائے جنہوں نے خفیہ طور پر وہاں کے لوگوں کو حکومت بنوامیہ کے خلاف منظّم کیا۔چنانچہ خراسان اور گردوپیش کے علاقے اس خفیہ تحریک کے گڑھ بن گئے۔آخر یہ تحریک کھلم کھلا مقابلہ پر آ گئی اور بنوامیہ کی حکومت کے خاتمہ پر منتج ہوئی۔خراسان کی فوجوں کا سربراہ ابومسلم خراسانی تھا۔چونکہ اس کامیابی میں انہی خراسانی فوجوں کا نمایاں کردار تھا اس لئے ابومسلم خراسانی نے بوجوہ علویوں کی بجائے عباسیوں کے اقتدار کی حمایت کی اور بنوعباس خلیفہ بن گئے۔

شروع میں تحریک علویوں کے نام پر چلائی گئی تھی اور دوران تحریک بھی انہی کا نام زیادہ تر استعمال ہوا اور عوام سے کہا گیا کہ آل بیت الرسول کے حق کیلئے یہ سب کوششیں ہورہی ہیں اس لئے خلاف توقع اقتدار جب بنوعباس کو مل گیا تو علویوں نے اس کو اپنی حق تلفی سمجھا۔اس طرح بنوعباسؓ اور بنوعلیؓ میں ٹھن گئی۔جوعلوی پہلے بنوامیہ کے ظلموں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اب وہ بنوعباس کی زیادتیوں کی آماجگاہ بن گئے اور بہت سے علوی یعنی سادات مختلف لڑائیوں میں مارے گئے۔انہی میں امام محمد النفس الزکیہ بھی شامل تھے جن کی ابوجعفر منصور نے بطور امام مہدی بیعت بھی کی ہوئی تھی۔بہرحال بنوعلیؓ بدستور حکومت وقت کے زیر عتاب تھے اور ہروقت عباسی حکام کے زیر نظر رہتے تھے۔اس پس منظر میں حضرت امام جعفر صادق ؒ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جس کا نام اسماعیل رکھا گیا۔یہ امام جعفر کا بڑا لڑکا تھا اور کہا جاتا ہے کہ امام جعفر نے اس کے حق میں وصیت کی تھی کہ میرے بعد یہ جانشین ہوگا۔لیکن امام جعفر صادق سے پہلے فوت وہ ہوگیا۔اسماعیل نے جس شخص کی نگرانی میں پرورش پائی اس کا نام میمون بن دیصان القداح تھا۔اس نے اور اس کے حامیوں نے امام جعفر صادق کی وفات کے بعد اس نظریہ کا اظہار کیا کہ جب ایک کے حق میں وصیت ہوجائے تو پھر وہ منسوخ نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ وصیت امام وقت کی طرف سے باعلام الٰہی ہوا کرتی ہے۔اس لئے امام جعفر صادق کی وفات کے بعد امامت کا منصب امام اسماعیل کی اولاد کے سپرد ہوگا۔(شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک بطریق بداء اسماعیل کی بجائے ان کے بھائی موسیٰ الکاظم کو امامت ملی لیکن اسماعیلی کہتے ہیں ان الامامة لا تنتقل من اخ الی اخ بعد الحسن والحسین و لا تکون الا فی الاعقاب۔ (تاریخ الفرق الاسلامیه صفحه ۱۸۳۔ فرق الشیعه صفحه ۵۷ تا۹۰)۔امام اسماعیل کے لڑکے کا نام محمد تھا چنانچہ ان لوگوں نے محمد بن اسماعیل کو اپنا امام تسلیم کرلیا۔اسکے ساتھ ہی دعویٰ کیا گیا کہ چونکہ حکومت کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ امام وقت کو کوئی نقصان پہنچائے اس لئے انہوں نے چھپ کر زندگی بسر کی۔یہاں سے امام مستور یعنی خفیہ امامت کے نظریہ کا آغاز ہوا۔اس ''امام مستور'' کے لڑکے کا نام احمد تھا جو دوسرا امام مستور تھا۔امام احمد کے لڑکے کا نام محمد الحبیب تھا۔یہ تیسرا امام مستور تھا۔اس تیسرے امام مستور کے لڑکے کا نام عبداللہ تھا جو چوتھا امام قرار پایا۔یہ کچھ عرصہ مستور رہا اس کے بعد مغرب یعنی شمال مغربی افریقہ میں اس کے نام سے عبیدیہ حکومت قائم کی گئی۔اس طرح عبیداللہ نے المہدی کے نام سے اپنے آپ کو ظاہر کردیا۔ائمہ مستورین کا یہ دور کوئی دوسوسال تک ممتد ہے۔اس عرصہ میں یہ ائمہ مختلف جگہوں میں خفیہ طور پر رہے اور بڑی رازداری کے ساتھ اپنی دعوت کو پھیلاتے رہے۔

اسماعیلی شیعوں کی خفیہ تحریک کا یہ ایک پہلو ہے۔اس کا دوسرا پہلو جسے اکثر سنی اور کئی شیعہ اور خود اسماعیلیوں کا کچھ حصہ بیان کرتا ہے اور اس میں عباسیوں کی کوشش کا دخل بھی ہے وہ یہ ہے کہ دراصل اسماعیل بن امام جعفر صادق نوجوانی میں لاولد فوت ہوگئے تھے ان کا ایک مولیٰ تھا جن کا نام میمون بن دیصان القداح تھا۔یہ شخص بڑا ذہین اور صاحب علم اور انتہائی ہوشیار تھا۔اہواز فارس کا رہنے والا تھا۔اوپر سے مسلمان تھا لیکن اندر سے ثنوی اور مجوسی تھا اور اسے یہ بڑا رنج تھا کہ عربوں نے ان کے ملک کو فتح کر کے اپنا تابع فرمان اور غلام بنالیا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اسکے ملک یعنی فارس وخراسان کے لوگ کھلم کھلا عربوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔اسی زمانہ میں امویوں کے خلاف علویوں اور عباسیوں کی خفیہ تحریک بھی چلی تھی۔اسی انداز پر اس نے بھی عربوں اور انکے دین یعنی اسلام کے خلاف اپنی ایک خفیہ تحریک کو منظّم کیا اور کامیابی کیلئے آل بیت رسولؐ کے نام کو استعمال کرنے کا پروگرام بنایا۔اور وہ یوں کہ اس نے امام اسماعیل کی نسل کے جن ائمہ مستورین کا ڈھونگ رچایا وہ دراصل اسکی اپنی نسل کے لوگ تھے۔چنانچہ اس نے یہ ظاہر کیا کہ امام اسماعیل کا ایک بیٹا ہے جس کا نام محمد ہے۔لیکن لوگوں کے سامنے اسے اسلئے نہیں لایا جاسکتا کہ حکومت کی طرف سے گرفت کا خطرہ ہے۔یہ درحقیقت اس کا اپنا بیٹا عبداللہ تھا۔میمون کا بیٹا عبداللہ بھی بڑا عالم ذہین اور بڑی تنظیمی قابلیتوں کا مالک تھا۔عبداللہ نے مختلف جگہوں میں پھرتے پھراتے اور اپنے حامیوں کو منظّم کرتے آخر کار سلمیہ کو مرکز دعوت بنایا اور اسماعیلی مذہب کے اصول وعقائد کو مرتب کیا اور انکو ترویج دی۔اس نے ان تعلیمات کے سات درجے مقرر کئے جو فاطمی حکومت کے قیام کے بعد نو (۹) قرار پائے۔ہر درجہ کے مرید کی عقل وسمجھ کو پرکھے بغیر نہ اسے اگلے درجہ میں جانے دیا جاتا اور نہ اسے اس درجہ کی خبر ہونے دی جاتی تھی کہ اس کا تعلیمی اور عملی نصاب کیا ہے۔

عبداللہ ۲۷۰ھ کے قریب فوت ہوا تو اس کا بیٹا احمد جانشین بنا جس کی کنیت ابوالشلعلع تھی۔احمد نے تحریک کو منظّم کرنے اور اسے وسیع کرنے میں بڑی مہارت دکھائی۔ اس نے اپنا جانشین یا ولی عہد اپنے بھتیجے سعید بن الحسین کو بنایا۔یہی سعید بعد میں عبیداللہ المہدی کے نام سے شمال مغربی افریقہ میں دولت عبیدیہ کا بانی بنا۔

بہرحال امام اسماعیل بن امام جعفر الصادق کی نسل سے ائمہ مستورین تھے یا دیصانیوں نے اپنے طور پر اس تحریک کو منظّم کیا تھا۔بنیادی طور پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصلاً دیکھنا یہ ہے کہ اس تحریک کا بنیادی مقصد کیا تھا اور تحریک نے کن ذرائع سے کام لیکر اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اسماعیلی نظریات و عقائد

اسماعیلی خود بڑی حد تک اپنے نظریات اور عقائد کو چھپاتے ہیں۔ پھر یہ مختلف ادوار سے گذرے ہیں اس وجہ سے بھی عقائد میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ دوسروں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں تعصب کی ملونی بھی ہوسکتی ہے۔ ان حالات میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ عقائد و نظریات کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وہ سو فیصد درست اور مطابق واقعہ ہے تاہم کسی حد تک خود اسماعیلیوں کے اپنے بیان کے مطابق اور کچھ ان دستاویزات کے لحاظ سے جو مختلف ذرائع اور اہل علم کے سامنے آئی ہیں اور جو کچھ غیر جانبدار مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ اسماعیلیوں کے جن عقائد اور نظریات کا علم ہوسکا ہے وہ یہ ہیں:

☆......۱۔ ائمہ اہل بیت مقدس اور معصوم ہیں۔ دین کا علم ان کو خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے بلکہ دنیا بھر کے وہ استاد اور دینی رہنما ہوتے ہیں۔ نیز ائمہ وصی ہوتے ہیں۔

☆......۲۔ پہلے چھ آئمہ یعنی حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت محمد باقرؒ، اور حضرت جعفر صادقؒ کو شیعہ اثناعشریہ بھی امام مانتے ہیں۔ اور اسماعیلی شیعہ بھی امام مانتے ہیں۔ اس کے بعد اختلاف ہوجاتا ہے۔ اسماعیلی شیعہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے بڑے لڑکے اسماعیل اور ان کی اولاد کو اپنا امام مانتے ہیں اور اثناعشری شیعہ ان کے دوسرے لڑکے موسیٰ الکاظم اور ان کی اولاد کو امام تسلیم کرتے ہیں۔

☆......۳۔ اسماعیلی شیعہ قرآن کریم کے بارہ میں کہتے ہیں کہ وہ امام صامت ہے اور ان کے ائمہ امام ناطق ہیں اس لئے قرآن کریم کے جو معنے اور جو تفسیر وہ بیان کریں وہی درست ہے مثلاً اگر وہ کہیں کہ قرآن کریم میں اقیموا الصلوٰة کا حکم ہے اس سے مراد ائمہ اہل بیت سے محبت، اخلاص اور ان کی فرمانبرداری کا اظہار ہے تو یہی معنے درست ہونگے اور ان کی تاویل ہی صحیح تسلیم کی جائے گی کیونکہ قرآن کریم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور باطن کا علم صرف امام کو ہی ہوتا ہے۔

☆......۴۔ امام کو مان لینے اور اس کی فرمانبرداری کا عہد کرلینے کے بعد تمام شرائع اور دین کے تمام احکام سے انسان آزاد ہوجاتا ہے۔ دعائم الاسلام صفحہ ۶۵۔ نیز یہ ایک فریق کا مسلک ہے جس کی نمائندگی زیادہ تر آغا خانی اسماعیلی کرتے ہیں یا دروز۔ دوسرے فریق کے لوگ جو بوہرہ اور خوجے کہلاتے ہیں اور مستعلیہ بھی وہ نماز، روزہ اور حلال وحرام کے احکام کے قائل اور پابند ہیں ان کی فقہی تشریحات کے لئے کتاب دعائم الاسلام کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (تاریخ الفرق الاسلامیہ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)

☆......۵۔ بعض اسماعیلیوں کے نزدیک امام اسماعیل کے بیٹے امام محمد خاتم النبیین القائم صاحب الزمان ہیں۔ انہوں نے شریعت اسلامیہ کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ ہر شریعت کے سات ائمہ ہوتے ہیں جب ان سات کا دور ختم ہوجائے تو نئی شریعت کا آنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام اسماعیل پر سابقہ ائمہ کا دور ختم ہوگیا اور امام محمد سے نیا دور شروع ہوا۔

☆......۶۔ اسماعیلی شعیہ حلول کے بھی قائل ہیں یعنی وہ مانتے ہیں کہ خدا ائمہ میں داخل ہوجاتا ہے ان میں سما جاتا ہے یا وہ ان معنوں میں خدا کے مظہر ہیں کہ خدائی طاقتیں اور خدائی قدرتیں ان کو عطا ہوتی ہیں۔ وہ خدا کی طرح عالم الغیب ہوتے ہیں۔ وہ زندہ بھی کرسکتے ہیں اور وہ مار بھی سکتے ہیں۔ یہ رائے بھی دروز اور بعض آغا خانیوں کی ہے۔ بوہرہ اس کے قائل نہیں۔

☆......۷۔ اسماعیلی شیعہ تناسخ کے بھی قائل ہیں اور مانتے ہیں کہ روحیں مختلف جونوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اور یہی ان کے لئے قیامت ہے۔

☆......۸۔ اسماعیلی شیعہ غورثی فلاسفہ کی طرح سات اور بارہ کے عدد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے کئی نظریات اور درجات ہیں۔ ان اعداد کا عمل دخل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سیارے سات ہیں اور برج بارہ اسی لحاظ سے زمین پر بھی ان کی نیابت ہے۔ اسی وجہ سے ان کے ہاں اتباع کے بھی سات درجے ہیں ہر درجہ کا متبع اپنے درجہ کے علمی اور عملی نصاب کو عبور کئے بغیر اگلے درجہ میں نہیں جا سکتا اور نہ ہی یہ جان سکتا ہے کہ اس درجہ کا علمی اور عملی نصاب کیا ہے۔ اس طرح ایک اسماعیلی درجہ بدرجہ ترقی کرتے کرتے آخری درجہ تک پہنچ سکتا ہے جو داعی یا حجت کا درجہ ہے۔

اسماعیلیوں کا کہنا ہے کہ علم الٰہی نبیوں کے ذریعہ وصی کو ملتا ہے مثلاً محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کو ملا پھر وصی سے امام کو ملتا ہے اور امام سے حجۃ کو ملتا ہے۔

حج، نقباء اور دعاۃ مذہبی کارکن ہوتے ہیں جو مختلف علاقوں میں اسماعیلی مذہب کے پھیلانے اور اسماعیلیوں کی تہذیب و تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اسماعیلی شیعہ آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہؓ کے بارہ میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ معتدل اسماعیلی شیعہ زیادہ سے زیادہ اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ علیؓ کی بجائے ابوبکرؓ کو خلیفۃ الرسول منتخب کرنے میں انہوں نے غلطی کی تھی لیکن چونکہ حضرت علیؓ نے اپنا حق لینے کے لئے ان سے لڑائی نہیں کی نیز وہ ان سے تعاون کرتے رہے۔ اسلام کی

اشاعت اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے ان کے ساتھ رہے اس لئے ہمیں بھی حضرت علیؓ کے نمونہ اور اسوہ پر چلنا چاہئے۔غالی اسماعیلی صحابہ ؓ کو برا بھلا کہتے ہیں۔انہیں مسلمان نہیں سمجھتے اور پہلے خلفاء کو غاصب اور ظالم قرار دیتے ہیں۔

اسماعیلی نظریات

پس اسماعیلیوں کے نظریات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆......ا۔ لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے۔یہ امام اگر ظاہر اور لوگوں کے سامنے ہو تو وہ خود لوگوں کی رہنمائی کرے گا اور اگر مستور اور لوگوں سے چھپا ہوا ہے تو اس کے حجج اور دعاۃ اس کی نیابت کریں گے اور لوگوں تک اس کے پیغام اور ہدایتیں پہنچائیں گے۔

☆......۲۔الامام المقیم جو رسول ناطق کو مقرر کرتا ہے اسے "رب الوقت" بھی کہا جاتا ہے یہ امامت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے بعض کے نزدیک ابوطالب امام مقیم ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو الرسول الناطق مقرر کیا۔

☆......۳۔دوسرے درجہ پر الامام الاساس ہے جو الامام الناطق کی مرافقت اور معاونت میں کام کرتا ہے۔اس کا دایاں ہاتھ ہوتا ہے۔رسالۃ کبریٰ کے کاموں کا قائم اور نگران ہوتا ہے علیؓ الامام الاساس ہیں۔

☆......۴۔الامام المستقر یہ بعد میں آنے والے امام کی تنقیص اور تعیین کا اختیار رکھتا ہے۔

☆......۵۔ الامام المستودع۔یہ امام مستقر کی نیابت میں کام کرتا ہے اسے نائب الامام بھی کہتے ہیں اس لئے آئندہ کے امام کے تنصیص اور تعیین کے اختیارات اسے حاصل نہیں ہوتے۔

☆......٦۔امامت کے سات دور ہیں۔اسلام کی صورت میں چھٹے دور کا آغاز آنحضرت ﷺ سے ہوتا ہے جو الناطق ہیں۔آپ کے بعد علیؓ اس دور کے پہلے امام ہیں جو" الامام الاساس" ہیں۔پھر ان کے بعد الائمۃ القائمین ہیں جو حسنؓ، حسینؓ، زین العابدینؒ، محمد باقرؒ، جعفر صادقؒ اور اسماعیل ہیں۔یہاں پر سات کا دور ختم ہو جاتا ہے اور محمد بن اسماعیل سے اگلے یعنی ساتویں دور کا آغاز ہوتا ہے۔اس بنا پر محمد بن اسماعیل ناسخ شریعت محمدیہ ؐ بھی ہیں۔

سات دور کے اس نظریہ کو اپنانے کی وجہ سے اسماعیلیہ کو **سبعیہ** بھی کہا جاتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ آسمان سات ہیں، کواکب سات ہیں، زمینیں سات ہیں، ہفتے کے دن سات ہیں۔اسی منوال پر ائمہ کے دور بھی سات ہیں اور ہر دور میں ائمہ بھی سات ہوتے ہیں۔

☆......۷۔ائمہ جس طینۃ یعنی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں وہ بشری طینۃ اور مٹی سے اعلیٰ اور برتر ہے اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے چنیدہ اور مخلوقات کے لئے حجۃ ہوتے ہیں۔

☆......۸۔امام زمانہ کی مدد کے لئے حجج ، ماذونون اور اجنحۃ ہوتے ہیں۔حجج جن کو بعض اوقات دعاۃ بھی کہا جاتا ہے ہمیشہ بارہ رہتے ہیں۔جن میں سے چار امام کے ساتھ رہتے ہیں۔ماذونون اور اجنحۃ امام اور دعاۃ کے درمیان پیغامبر اور رابطہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

☆......۹۔اسماعیلیہ معروف معنوں میں قیامت اور حشر ونشر کو نہیں مانتے اور نہ جنت و دوزخ کے قائل ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ قیامت سے مراد خروج الامام قائم الزمان ہے جو ایک نئے دور کا آغاز کرتا ہے۔ اور ساتوں درجہ پر ہوتا ہے اور معاد سے مراد یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔مثلاً انسان روحانی اور جسمانی عناصر سے مرکب ہے اور جسمانی عناصر چار ہیں۔الصفراء، السوداء، البلغم اور الدمہ۔صفراء ناری عنصر ہے اس لئے آگ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔سوداء ارضی عنصر ہے اس لئے وہ تراب یعنی مٹی بن جاتا ہے۔بلغم مائی عنصر ہے اس لئے وہ پانی میں جا شامل ہوتا ہے اور الدم ہوائی عنصر ہے اس لئے وہ ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔رہا انسان کا روحانی پہلو تو وہ روح یعنی النفس المدرکہ ہے۔اگر وہ فضائل سے مزین ہے تو وہ عالم روحانی میں جا شامل ہوگا۔اور آیت کریمہ "**یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ**" میں اسی روحانی عالم کی طرف رجوع اور صعود کا اشارہ ہے اور اگر روح یعنی نفس مدرکہ رذائل اور عیوب میں ملوث ہے تو پھر اسے مختلف جونوں کے چکر میں ڈال دیا جاتا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہتا ہے۔

☆......۱۰۔بعض اسماعیلی انیس کے عدد کو بھی بڑی اہمیت دیتے ہیں مثلاً ان کا کہنا ہے کہ ہر دور میں سات امام ہوتے ہیں اور بارہ داعی۔ان کا مجموعہ انیس ہے۔اسی طرح ہر دعامہ کے سات فرائض ہیں اور بارہ سنتیں اور ان کا مجموعہ انیس ہے۔اس نظریہ نے فاطمی خلیفہ المستنصر کے زمانہ میں فروغ حاصل کیا۔کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد المستنصر اسماعیلیہ کے نزدیک انیسواں امام تھا۔

غرض اسماعیلی قیادت نے بعض اسلامی ایمانیات کے ساتھ یونانی فلسفہ، مجوسی اور ہندی تصورات، یہودی اور عیسائی مسلمات کی آمیزش کر کے اپنے عقائد و نظریات کو ترتیب دیا اور ان کے لئے فلسفیانہ دلائل مہیا کئے۔یہ خفیہ تحریک علمی تصورات اور سری اقدامات کا مجموعہ تھی۔اس تحریک کے قائدین نے بعض علوی اور خراسانی عناصر کی طرح کھلم کھلا حکومت کے مقابل

آنے کی کوششوں کوترک کر دیا۔اورخفیہ رہ کرمختلف قسم کی علمی اور تنظیمی سازشوں کے ذریعہ وہ اپنے مقاصد کی طرف بڑھے اور بڑی حد تک اپنے اہداف کے حاصل کرنے میں کامیاب رہے تاہم چونکہ اسلامی نقطہ نظر سے اس تحریک کی کوئی بنیاد نہ تھی اور نہ عدل وانصاف کے قیام اورظلم وجور کے اختتام کے لحاظ سے اس کے قائدین اتنے مخلص تھے اس لئے جب عوام نے کامیابی کے بعد اس تحریک کے طور دیکھے تو ان کی ساری امیدیں ختم ہوگئیں۔اورمہدویت کے نظریہ کے تحت جس امن وامان خوشحالی اور فارغ البالی کے ان کو وعدے دئے گئے تھے وہ سب بڑی حد تک فریب ثابت ہوئے اس طرح عوام کی تائید سے محروم ہو جانے کیوجہ سے کچھ عرصہ بعد ہی اس تحریک کا جوش وخروش ختم ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ چند نشانات چھوڑنے اور امت مسلمہ کے بہت سے نقصانات کا باعث بننے کے بعد یہ تحریک اپنی موت آپ مرگئی۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۷ء تا ۱۶/اکتوبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۶

دعوت اسماعیلیہ کا فروغ

رہی الاسماعیلی تحریک کے فروغ اورعروج کی داستان تو اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ اس تحریک کے قائدین نے سَلَمیہ کو مرکز بنانے کے بعد مختلف اطراف میں اپنے داعی روانہ کئے یہ داعی بڑے قابل اور اپنے نظریہ کے بارہ میں بڑے مخلص تھے۔عراق میں اس تحریک کا داعی محمد بن الحسن بن جبار الملقب بدندان پہلے سے ہی کام کر رہا تھا۔اس نے عبداللہ بن میمون کو بہت سی مالی امداد دی اوراس کے نظریات کو پھیلایا۔عرب اور اسلام دشمنی میں دونوں برابر تھے۔

عبداللہ نے سلمیہ کو اپنا مرکز بنانے کے بعد اپنے بیٹے الحسین کو رئیس الدعوۃ کا عہدہ دیا اور اپنے دوسرے بیٹے احمد ابوالشلعلع اس کا جانشین بنا۔یہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا منتظم اور ماہر علوم تھا۔کئی زبانیں جانتا تھا۔ اس نے یمن کی طرف رستم بن الحسین بن خرج بن حوشب کو داعی الدعاۃ بنا کر بھیجا جو بڑا قابل اور مخلص داعی تھا۔اس کے بعد اس نے الحسن بن احمد ابوعبداللہ الشیعی الصنعانی کو تیار کیا کہ وہ واپس یمن جائے اور ابن حوشب سے اسماعیلی دعوت کے طور طریق اوراس کے فرائض سیکھے۔اس کے بعد مغرب یعنی (شمال مغربی افریقہ) میں جا کر بربری اقوام میں دعوت پھیلائے۔ابوعبداللہ احمد کا زیادہ زور دولت عباسیہ کے مرکز بغداد سے دور کے علاقوں پر تھا کیونکہ ایک تو دور کے علاقوں میں حکومت کی گرفت کمزورتھی دوسرے وہاں کے مقامی حکام کے ظلموں سے لوگ تنگ آئے ہوئے تھے تیسرے ان کی تختی دل صاف تھی اور دین کے مسائل کا ان کو بہت کم علم تھا اور چوتھے آل بیت نبویؐ سے ان کی عقیدت بوجوہ مشہور ومعروف تھی اور بربری لڑائی میں بھی بڑے بہادر تھے۔بہر حال ابوعبداللہ الشیعی یمن سے ہوکر بمطابق مشورہ ابن حوشب پہلے مکہ مکرمہ آیا وہاں سے حاجیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ مصر آ گیا۔اس قافلہ میں کتامہ کے لوگ بھی تھے جو مغرب میں بربر کا ایک محفوظ قبیلہ تھا اور پہلے سے شیعہ اثرات سے متاثر تھا۔کتامہ کے حاجی ابوعبداللہ الشیعی کی فصیح اللسانی اور شیریں بیانی سے خاصے متاثر ہوئے۔کہا جاتا ہے کہ انہی کی درخواست پر ابوعبداللہ الشیعی نے کتامہ کے علاقہ میں قیام کیا اور حالات سازگار دیکھ کر وہاں کی ایک محفوظ فج الاخیار کو اپنی دعوت اور تبلیغ کا مرکز اور دارالہجرت قرار دیا۔اس نے مہدی منتظر کے ظہور کے بارہ میں بڑے سہانے خواب وہاں کے لوگوں کو دکھائے۔یہ لوگ پہلے ہی وہاں مقامی عرب حکام سے تنگ آئے ہوئے تھے وہ ابوعبداللہ الشیعی کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اوراس کی تنظیم کے سرگرم رکن بن گئے۔ ابوعبداللہ الشیعی کی مغرب میں آمد ۲۸۸ھ کے قریب تھی۔

ابوعبداللہ الشیعی نے تصوف کا جامہ اوڑھ رکھا تھا اور بڑے صوفی کے رنگ میں لوگوں کے سامنے آتا۔بہر حال اس نے ذہانت، عزم اور احتیاط کے ساتھ بڑے خفیہ انداز میں اپنی دعوت کو آگے بڑھایا۔اس نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ حضرت امام جعفرؒ نے اپنے دو داعیوں کو ان علاقوں کی طرف بھیج کر جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ **حتی یجیئصاحب البذر** تو وہ **صاحب البذر** یعنی بیج بونے والا میں ہوں۔بہر حال ابوعبداللہ الشیعی کی دعوت کی وجہ سے اردگرد کے علاقہ کے لوگ بکثرت اس کی تنظیم میں شامل ہونے لگے۔ان دنوں ان علاقوں میں اغالبہ کی حکومت تھی جو بنوعباس کی طرف سے ان علاقوں کے والی تھے۔ابوعبداللہ الشیعی کے جتھوں کی اغالبہ کی فوجوں سے کئی جھڑپیں بھی ہوئیں اور غلبہ ابوعبداللہ الشیعی کے حامیوں کے ہاتھ رہا۔ابوعبداللہ الشیعی نے یہ پراپیگنڈا بڑے زور شور سے کیا کہ بس امام مہدی ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس کا اثر بھی بہت اچھا پڑا اور ابوعبداللہ کی طاقت بڑھتی رہی آخر اغالبہ شکست کھا گئے اور ابوعبداللہ الشیعی نے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا اور بڑے عدل وانصاف کا مظاہرہ کیا۔

اس کا اثر بھی لوگوں پر بہت اچھا پڑا۔اس کے بعد ابوعبداللہ الشیعی نے سلمیہ میں اپنے قائد کو پیغام بھجوایا کہ میدان تیار ہے آیئے اور حکومت سنبھالئے۔چنانچہ سعید بن الحسین جو احمد ابوالشلعلع کا بھتیجا تھا اور احمد ابوالشلعلع کی وفات کے بعد تحریک کا قائد بنا تھا عبیداللہ المہدی کے نام سے ۲۹۶ھ میں مغرب کے ان علاقوں کا حکمران بنا اور حکومت عبیدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔قیروان دارالحکومت قرار پایا۔یہ عجیب بات ہے کہ مغرب میں فاطمیوں کی حکومت کے لئے ابوعبداللہ الشیعی نے میدان ہموار کیا تھا اور اسی کی کوششوں سے حکومت عبیدیہ قائم ہوئی تھی لیکن عبیداللہ المہدی نے جب استحکام حاصل کرلیا تو اس نے ۲۹۶ھ میں ابوعبداللہ الشیعی اوراس کے بھائی ابوالعباس دونوں کو مروا دیا اور اس طرح اس نے اس تاریخ کو دہرایا جو دولت عباسیہ کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور نے مؤسس دولت عباسیہ ابومسلم خراسانی کو قتل کر کے اوراق تاریخ میں ثبت کی تھی اور دونوں کے حامیوں

کا ردعمل بھی ایک جیسا تھا۔

بہر حال عبید اللہ المہدی نے بڑی حد تک اپنی حکومت کو سنبھال لیا۔اس کی وفات کے بعد ابوالقاسم محمد القائم دولت عبیدیہ کا خلیفہ بنا اس کے بعد المنصور اور اس کے بعد المعز دولت فاطمیہ کے سربراہ مقرر ہوئے۔المعز کے عہد حکومت میں اس کے قابل جرنیل جوہر کے ہاتھوں مصر فتح ہوا۔یہ ۳۵۸ھ کا واقعہ ہے۔المعز جب فتح مصر کی تیاریوں میں تھا تو ایک روز جبکہ شدید سردی پڑ رہی تھی اور سخت طوفان کا سماں تھا اس نے اپنے ارکان اور شیوخ کتامہ کو اپنے محل میں بلوایا اور ان کے سامنے تقریر کی کہ آپ لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے سرد اور طوفانی دن میں میں عیش وعشرت، شراب و کباب اور رقص و سرود میں اپنا وقت گذار رہا ہونگا حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گرد کتابوں اور خطوں کا ڈھیر ہے، قلم اور دوات رکھی ہے اور خط و کتابت اور علم کے سمندر میں گویا غرق ہوں۔ بڑی سادہ زندگی بسر کرتا ہوں تم بھی وہی کرو جو میں کرتا ہوں۔تکبر اور تبختر کو ترک کر دو، دوسروں پر رحم کرو تا اللہ تعالیٰ بھی تم پر رحم کرے۔عیش میں نہ پڑو، ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو تا کہ تمہارے قویٰ مضبوط رہیں اور قوت قائم رہے۔ میری مدد کرو تا کہ ہم مشرق یعنی مصر میں بھی اسی طرح غالب آئیں جس طرح ہم مغرب میں غالب ہوئے ہیں تا کہ ہر طرف سلامتی امن وامان اور عدل وانصاف کا دورہ ہو کیونکہ عدل وانصاف حکومت کی بنیاد ہے۔غرض اس طرح کی وعظ و تلقین اور امنگ و یقین کے ساتھ المعز نے مصر کی طرف فوجیں روانہ کیں۔مصر کے حالات یوں بھی دگرگوں تھے اس لئے بہت معمولی مقابلوں کے بعد المعز کی فوجوں نے مصر فتح کر لیا۔۳۶۱ھ میں المعز نے فاطمی خلیفہ المنصور کے بسائے صدر مقام المنصوریہ سے کوچ کیا جو شمال مغربی افریقہ کے مشہور شہر قیروان کے نواح میں تھا۔اور القاہرہ میں آکر قیام کیا جو اس کے جرنیل جوہر نے دارالحکومت کے طور پر بسایا تھا۔مصر کے حالات کو درست کرنے کے بعد المعز نے آہستہ آہستہ اپنا اثر ورسوخ شام، یمن اور حجاز کی طرف بڑھایا۔ یہ علاقے پہلے سے ہی مصر کی نگرانی میں تھے۔اور ان دنوں رومیوں کی نظریں ان علاقوں خصوصاً شام پر لگی ہوئی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ وہ دولت عباسیہ کی جگہ لیں اس بنا پر رومی بیزنطینیوں کی روک تھام ضروری تھی۔پھر اس علاقہ میں قرامطہ کا بھی زور تھا جس کا توڑ نا فاطمیوں کی پالیسی کا ایک حصہ تھا۔ ۳۶۵ھ میں المعز جب فوت ہوا تو العزیز اس کا قائم مقام مقرر ہوا۔اسی کے زمانہ میں جامع الازہر کی بنیاد وسیع المقاصد تعلیمی ادارہ کے طور پر رکھی گئی۔

(شروع میں جامع الازھر کی بنیاد ۳۵۹ھ میں فاطمی قائد جوہر کے ہاتھوں رکھی گئی لیکن اس وقت یہ صرف شیعہ علوم کی تدریس کے لئے مختص تھی۔ (تاریخ الدولة الفاطمیه صفحه ۳۷۷)۔

العزیز بڑا وسیع المعلومات دور بین خلیفہ تھا۔بہت سی زبانیں جانتا تھا۔اس کے زمانہ میں ایشیائے کوچک سے لے کر بحر اوقیانوس کے مغربی کنارے تک دولت فاطمیہ کا جھنڈا لہراتا تھا۔۳۸۶ھ میں العزیز نے وفات پائی۔اس نے قاضی محمد بن النعمان المغربی اور کتامہ کے سردار ابوالحسن بن عمار کے مشورہ سے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا جو الحاکم بامر اللہ کے لقب سے مشہور ہے۔الحاکم بامر اللہ سے پہلے فاطمی خلفاء عام شرعی احکام میں قریباً اثنا عشری شیعہ سے مطابقت رکھتے تھے ۔ جمعہ اور عیدین اور عبادت کی دوسری تقریبات میں خلفاء برابر کے شریک ہوتے۔البتہ صحابہؓ کو برا بھلا کہتے اور سبّ صحابہؓ کے طریق کو فروغ دینے میں دوسرے غلو پسند شیعہ فرقوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔

الحاکم بامر اللہ کو کتامہ کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ان کا مطالبہ تھا کہ ان کے سردار الحسن بن عمار کو وزیر مقرر کیا جائے۔چنانچہ الحاکم کو جھکنا پڑا اور کتامہ کا مطالبہ تسلیم کر لیا لیکن بدنظمی بڑھ گئی آخر ابن عمار نے وزارت چھوڑ دی۔اس کی جگہ برجوان آیا لیکن کچھ مدت کے بعد حاکم نے اسے بھی قتل کروا دیا۔

حاکم متلون مزاج، غلو پسند، دیوانی ذہنیت کا خلیفہ تھا- پہلے اس نے سنیوں اور ذمیوں کو سخت تنگ کیا اور شیعیت کے فروغ کی کوشش کی۔اس کا یہ دور ۳۹۰ھ سے ۳۹۸ھ تک ہے۔اس نے یہود اور نصاریٰ کے بارہ میں حکم دیا کہ وہ الگ طرز کے لباس پہنیں جس سے پتہ چلے کہ وہ غیر مسلم ہیں۔گرجے گرا دیئے اور ان کے اندر کے قیمتی سامان کو فروخت کروا دیا۔ایک طرف اس کا یہ تشدد تھا تو دوسری طرف اس نے کئی عیسائیوں کو بڑے اہم عہدے دے رکھے تھے جنہوں نے عام مسلمانوں کو بڑا تنگ کئے رکھا۔

۳۹۸ھ سے ۴۹۱ھ تک عام مسلمانوں کے بارہ میں اس کا رویہ نرم تھا لیکن اس دور میں اس کے مذہبی دعاوی نے بڑا عجیب رنگ اختیار کر لیا تھا۔ایک طرح سے اس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اسی زمانہ میں دروز کا فرقہ ظاہر ہوا جس کی تفصیل آئندہ آ رہی ہے۔

الغرض حاکم کے یہی دعاوی اس کے قتل کا باعث بنے۔اسی زمانہ میں اس نے دارالحکمۃ بھی قائم کیا جس میں اسماعیلی مذہب کی باطنی تعلیم دی جاتی تھی اور باطنی نظریات پھیلانے کے لئے داعی تیار کئے جاتے تھے۔

سنیوں کے بارہ میں فاطمیوں کی پالیسی خاصی سخت تھی۔خلفاء ثلاثہ اور صحابہؓ کو برملا گالیاں دی جاتی تھیں جس سے سنیوں کے سینے جلتے تھے۔جمعہ کے خطبوں میں سبّ وشتم کا رواج بڑھ گیا تھا۔ مساجد کی دیواروں پر اور عام شاہراہوں پر یہ گالیاں لکھی جاتیں۔گلیوں میں لوگوں کو پھرایا جاتا اور مارا پیٹا جاتا اور منادی کی جاتی کہ **ھذا جزاء من یحب ابابکر و عمر**۔۴۹۱ھ کے قریب حاکم نے ارادہ کیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قبریں اکھیڑ دی جائیں اور روضہ میں صرف آنحضرتؐ کی قبر رہنے دی جائے۔ لیکن وہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔

حکومت کے عہدوں میں سنیوں سے سخت تعصب برتا جاتا تھا۔کوئی عہدہ سنیوں کے ہاتھ میں نہ رہا حالانکہ ملک میں اکثریت سنیوں کی تھی۔

خلیفہ العزیز نے سنیوں کو نماز تراویح اور نماز ضحیٰ پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔جب ایک سنی عالم نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو اسے گرفتار کر لیا گیا پھر اس کی زبان کاٹ دی گئی اور آخر اسے سولی دے دی گئی۔بعض مؤرخین نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے۔

مؤطا امام مالک ؒ پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔خصوصاً حاکم کے زمانہ میں اس قسم کا تشدد بڑھ گیا تھا۔

کچھ عرصہ ایسا بھی آیا کہ حاکم بامر اللہ نے تعصب کی اس پالیسی میں نرمی کر دی لیکن یہ عرصہ تین سال سے آگے نہ بڑھا اور پھر سے تشدد شروع ہو گیا۔

اس تعصب کا ہی نتیجہ تھا کہ سنی فاطمی حکومت سے بددل اور متنفر تھے۔ ۴۱۱ھ میں الحاکم بامر اللہ فوت ہو گیا۔بعض روایات کے مطابق اسے قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد اس کا بیٹا الظاہر والی بنا۔اس کی پالیسی نرم تھی اس نے بڑی عقلمندی اور بردباری کا ثبوت دیا۔اپنے والد کے زمانہ کے بہت سے احکام جن سے تعصب اور تشدد جھلکتا تھا منسوخ کر دیئے اور رعایا بڑی حد تک مطمئن ہو گئی لیکن اس کی وفات کے بعد المستنصر کے عہد میں تشدد کا عفریت پھر جاگ اٹھا اور کافی عرصہ جاری رہا۔آخر کار ۵۶۴ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں جب دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہوا تو اس کے ساتھ ہی سنیوں نے بھی اطمینان کا سانس لیا لیکن شیعوں کی شامت آ گئی اور ایوبی امراء نے بطور پالیسی چن چن کر اسماعیلی شیعوں کو ختم کیا۔وہی بچے جو یمن یا ہند کی طرف بھاگ گئے اور کچھ شام اور لبنان کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے۔

فاطمی حکومت کے زمانہ میں ہی خلافت عباسیہ کے زوال کا آغاز ہوا۔خلفاء عباسیہ کو بنوبویہ نے جو شیعہ تھے ایک کھلونا بنا رکھا تھا۔ان کی دلی ہمدردیاں فاطمی خلفاء کے ساتھ تھیں۔اگر بعض سیاسی مفاد آڑے نہ آتے تو بنوبویہ نے خلافت عباسیہ کو ختم کر کے خلفاء فاطمیہ کی حکومت کا اعلان کر دینا تھا۔لیکن بنوبویہ کو مشورہ دیا گیا کہ بنوفاطمہ کی حکومت میں ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔بنوعباس کو تو تم لوگ عقیدۃً غاصب سمجھتے ہو ان کے ساتھ تمہاری کوئی مذہبی عقیدت نہیں اس لئے جس طرح چاہتے ہو ان سے سلوک کرتے ہو لیکن اگر بنوفاطمہ ادھر آ گئے تو تم ایسا نہ کر سکو گے کیونکہ عقیدۃً تم انہیں خلیفہ برحق مانتے ہو۔اگر تم ان کی بے ادبی کرو گے یا ان میں سے کسی کو قتل کرو گے تو شیعہ پبلک تمہارے خلاف اٹھ کھڑی ہو گی اور اس مخالفت کا سنبھالنا تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا۔بہرحال قریباً ایک سال تک بغداد میں خلفاء بنوفاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا لیکن آخر کار اس پالیسی کو بدل دیا گیا اور حسب سابق خلفاء عباسیہ کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا۔فلسطین، شام، یمن اور حجاز میں تو بنوفاطمہ کے نام کا خطبہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا اور ایوبیوں کے عہد حکومت میں اس کا رواج ختم ہوا۔

اسی زمانہ میں تاتاریوں کے حملے بھی شروع ہوئے جو آخر سقوط بغداد اور خلافت عباسیہ کے خاتمہ پر منتج ہوئے۔صلیبی لڑائیوں میں صلیبیوں کی کامیابی کا بھی یہی زمانہ ہے۔انہوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑتے دیکھا تو ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ارض فلسطین اور شام کے بعض حصے ان کے قبضہ میں چلے گئے۔یہ کامیابیاں انہوں نے بعض شیعہ فرقوں کی مدد سے حاصل کیں۔

فاطمی زعماء نے اسماعیلی مذہب کی دعوت و اشاعت کے لئے اسلامی ممالک میں چاروں طرف اپنے داعی پھیلائے ہوئے تھے جو حسب حالات کہیں ظاہر اور کہیں خفیہ اپنے نظریات اور خلافت فاطمیہ کی حقیقت کی برابر تبلیغ کرتے رہتے تھے۔بعض داعی بڑے قابل، علوم کے ماہر اور اصول تبلیغ سے پوری طرح واقف تھے اور اثر و رسوخ بڑھانے کے طریقوں کو اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ ان کی کوششوں سے ہر ملک اور ہر علاقہ میں ان کے بڑے مضبوط مرکز اور دار الہجرت قائم ہو گئے۔

موصل میں اسماعیلی مذہب کا داعی خود وہاں کا والی تھا۔اس کے بعد قرداش العقیلی نے موصل ابناء مدائن اور کوفہ میں بڑا کام کیا...... ایک اور داعی ھبۃ الشیرازی نے عباسی حکام اور بعض سلجوقی ترکوں کو اسماعیلیت کی طرف مائل کرنے کا تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا۔

یمن کا پہلے ذکر آ چکا ہے کہ سلمیہ میں مستور ائمہ میں سے دوسرے امام احمد ابوالشلعلع نے یمن کے علاقوں میں اسماعیلی دعوت پھیلانے کی ذمہ داری ابن حوشب کے سپرد کی۔ابن حوشب کا پورا نام ابوالقاسم الحسن بن ابی الفرج بن حوشب ہے۔یہ کوفہ میں پیدا ہوا۔خاندان علمی تھا اور اثنا عشری عقائد رکھتا تھا لیکن ابن حوشب نے اسماعیلی عقائد کو اپنایا اور ائمہ مستورین کے مقربین میں شمار ہونے لگا۔وہ اسماعیلیوں کے اس نظریہ سے بے حد متاثر تھا کہ امام مہدی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔احمد ابوالشلعلع نے ابن حوشب کو کہا اے ابوالقاسم یمن بڑی برکات کا حامل ہے اس لئے یہ علاقہ میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔اس کے ساتھ ہی احمد نے ایک اور شخص کو ابن حوشب کا ساتھی بنایا۔ اس شخص کا نام علی بن فضل الیمنی تھا اور حج کرنے کے بعد قبر حسین ؓ کی زیارت کرنے کربلا آیا تھا۔اس کے بعد سلمیہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔احمد نے اسے مخلص پا کر اس طرح مخاطب کیا ''الحمدلله الذی رزقنی رجلاً تحریراً مثلک استعین به علی امری و اکشف له مکنون سری''۔غرض اسے خوب جوش دلایا اور ابن حوشب کے ساتھ مل کر کام کرنے کی تلقین کی۔ادھر ابن حوشب کو کہا کہ اس شخص کی دلداری کرنا، اس کے ساتھ مل کر کام کرنا، ظاہری لحاظ سے نماز روزہ کی پابندی کرنا، اپنا راز عام نہ کرنا، لوگوں کو مرید بنانا اور جب وہ قربانی کے لئے تیار ہو جائیں تو مقررہ مالی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے ان سے کہنا۔بہرحال ابن حوشب نے یمن پہنچ کر صنعاء سے جنوبی طرف ایک پہاڑی جگہ

کو جس کا نام لاعہ تھا اپنا مرکز بنایا۔ یہ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ وہاں پہلے سے ہی کچھ لوگ ہم خیال تھے۔مشہور کرایا گیا کہ ایک بڑا ولی اللہ عابدوزاہداس علاقہ میں آیا ہے چنانچہ لوگ دھڑا دھڑ آنے لگے۔ جب اچھی خاصی جمعیت اکٹھی ہوگئی تو ابن حوشب نے اردگرد کے علاقہ میں قلعہ بندی کر دی اور یمن کے عباسی والی پر حملہ کروا دیا جو کامیاب رہا کیونکہ علاقہ میں پہلے ہی گڑبڑ تھی۔عباسی اثر ورسوخ برائے نام تھا۔خارجیوں اور زیدی اور اثناعشری شیعوں نے ملک کا امن وامان ابتر کر رکھا تھا۔ اس کے بعد ابن حوشب نے صنعاء کے جنوب میں دارالہجرت اور مرکز نشر واشاعت قائم کیا اور تھوڑے عرصہ میں اتنی کامیابی حاصل کی کہ منصور الیمن کے لقب سے مشہور ہو گیا۔اس نے اپنے مرکز اشاعت سے مختلف علاقوں میں اپنے داعی بھیجے خاص طور پر بحرین، یمامہ، سندھ اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں داعی پہنچے اور خاصی کامیابیاں حاصل کیں۔

دوسری طرف علی بن فضل نے یمن کے ایک علاقہ جیشان اور یافع کو اپنا مرکز دعوت بنایا اور اردگرد کے امراء سے جنگیں لڑ کر خاصی کامیابی حاصل کی۔اس کامیابی سے اس کا دماغ پھر گیا۔اس نے نبوۃ کا دعویٰ کیا اور اسلام کو خیر باد کہہ دیا۔ایک قصیدہ میں وہ کہتا ہے:

تولّی نبی بنی هاشم

و هذا نبی بنی یعرب

لکل نبی مضی شرعة

و هٰذی شریعة هذا النبی

فقد حط عنا فروض الصلوٰة

وحط الصیام فلم یتعب

اس ادعا کی وجہ سے علی بن فضل اور ابن حوشب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور لڑائی تک نوبت پہنچی۔

بہرحال ابن حوشب کی کوششوں سے یمن اسماعیلی دعوت کا گڑھ بن گیا اور اسے اور اس کے جانشینوں کو خاصی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔اسماعیلی خلیفہ المستنصر نے یمن کے ایک اسماعیلی سردار علی بن محمد الصلیحی کی مدد سے حجاز میں عباسیوں کا اثر ورسوخ ختم کرایا جو کچھ عرصے سے بڑھ رہا تھا۔علی صلیحی قتل ہو گیا تو اس کا لڑکا المکرّم اس کا جانشین بنا۔ اس کے بعد اس کی بیوی اردیٰ الحرہ نے اسماعیلی دعوت کی ذمہ داری سنبھالی۔یہ بڑی مدبر اور منتظم عورت تھی۔اس کی دعوت کے نشان جنوبی ہند کے بوہرہ ہیں۔

فاطمی خلیفہ العزیز نے عباسی وزیر عضدالدولہ بویہی شیعی کے پاس سفارت بھیجی تا کہ اسے متاثر کرے اور خلافت عباسیہ کے الٹنے میں اس کی مدد حاصل کی جائے اور یہ کوشش مسلسل جاری رہی لیکن بنو بویہ کے اپنے مقاصد تھے اس لئے یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ کما مرَّ۔

ایک اور عباسی سردار ابوالحارث ابساسیری پر جال ڈالنے کی کوشش کی گئی اور وہ غداری پر آمادہ بھی ہو گیا کیونکہ عراق کے داعی الدعاة هبة الله الشیرازی نے اس کی بڑی موثر مدد کی تھی لیکن سلاجقہ ترکوں کی مدد سے بویہیوں کی طاقت کو ختم کر دیا گیا۔دراصل عباسی خلافت کی یہ ایک دائمی پالیسی تھی پہلے فارسیوں اور خراسانیوں کی مدد سے بنوامیہ بالفاظ دیگر عربوں کے تسلط پر ہلہ بولا۔پھر ترکوں کی مدد سے فارسیوں اور خراسانیوں کے اثر ورسوخ کو ختم کیا پھر بنو بویہ کو آگے لائے تا کہ ترکوں سے ان کو چھٹکارا ملے۔ جب بنو بویہ وبال جان بن گئے تو سلاجقہ کے ذریعے ان کا خاتمہ کیا۔ سلاجقہ کو عوام کی حمایت بھی حاصل تھی کیونکہ وہ سنّی تھے۔

فارس میں عبداللہ بن میمون القداح نے کئی داعی بھیجے۔اس سے پہلے خود اس نے اھواز کو مرکز بنا کر اس علاقہ میں اپنے نظریات کی اشاعت کی تھی۔اپنے داعی الحسن الاہوازی کو سواد کوفہ کی طرف بطور داعی بھیجا تھا۔فارس کے علاقوں میں داعی زیادہ تر کپڑے بننے، روئی دھننے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ لوگوں میں بڑی رازداری اور احتیاط کے ساتھ اپنے نظریات کی تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے۔ان داعیوں سے کئی اہل علم بھی متاثر ہوئے۔چنانچہ انہی میں سے ایک صاحب علم عیاث بھی تھے جنہوں نے بعد میں اسماعیلی نظریات کے پھیلانے میں بہت سے کارنامے سرانجام دئے۔ فارس کے بڑے بڑے امراء کو اسماعیلیت کی طرف مائل کیا۔انہیں میں سے ایک الحسین بن علی المرد روزی بھی تھا جس کا ہرات اور غور میں بڑا اثر ورسوخ تھا۔چنانچہ اس کے ذریعہ ان علاقوں میں دعوت اسماعیلیہ کو خوب فروغ ملا۔خراسان میں ایک اور داعی ابوحاتم النیسا پوری الرازی نے بڑا کام کیا جو ایک مشہور شاعر بھی تھا۔اسی نے طبرستان، الدیلم اجیان اور ری میں اسماعیلی شیعیت کے بیج بوئے۔ان علاقوں میں دعوت کا انداز المغرب سے کچھ مختلف تھا۔ چونکہ یہ علاقے مجوسیت، ہند کی برہمیت اور یونان کے فلسفہ سے خاصے متاثر تھے۔تناسخ اور حلول کے نظریات بھی عام تھے اسلئے ان علاقوں میں کام کرنے والے داعی علمی انداز میں ان نظریات کی تائید وحمایت سے بھی خاصہ کام لیتے تھے۔

محمد بن احمد النسفی خراسان میں اسماعیلیوں کا ایک اور بڑا داعی تھا۔اس نے امیر خراسان نصر بن احمد السامانی کو بہت متاثر کیا۔اور بخارا تک اسماعیلیت کا اثر بڑھایا۔کہتے ہیں کہ نصر سامانی نے اسماعیلیوں کے ایک داعی الحسین بن علی المردروزی کو مروادیا تھا۔ محمد النسفی نے نصر سامانی پر زور دیا کہ یہ بڑا ظلم ہوا ہے اس لئے وہ الحسین کی ایک سوانیس

دینار دیت ادا کرے۔ جبکہ ہر دینار کے ساتھ ایک ہزار دینار کا اضافہ ہوا اور یہ دیت جس کی کل مالیت ایک لاکھ انیس ہزار دینار تھی مغرب کے فاطمی امیر کو بھجوائی گئی جس کی ہدایت میں یہ داعی کام کر رہے تھے۔

دعوت اسماعیلیہ کے سلسلہ میں علمی کوششیں

علمی لحاظ سے اسماعیلی داعیوں نے جس طرح مشرق کو متاثر کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسائل اخوان الصفاء اسماعیلی داعیوں سے متاثر فلسفیوں کا کارنامہ ہے۔ جس میں فلسفی اور ادبی انداز میں مسائل اسلام پر بحث کی گئی ہے۔ ان رسائل کے مرتبین بنو بویہ کے پروردہ تھے اور چھپ کر اور پس پردہ رہ کر کام کرتے تھے۔ ان رسائل سے اسماعیلیہ خاص طور پر درنویہ اور نزاریہ (آغا خانیہ) نے بہت زیادہ کام کیا۔ المشہزوری کا کہنا ہے کہ ان رسائل کے مصنفوں کے نام یہ ہیں۔ ابوسلیمان محمد بن نصر البستی، ابوالحسن علی بن ہارون الزنجانی، ابواحمد النہرجوری، زید بن رفاعہ، العونی اور ابن سینا یہ سب کے سب اپنے زمانہ کے مانے ہوئے فلسفی اور آزاد خیال مفکر تھے۔ یہ کام انہوں نے چوتھی صدی کے نصف ۳۴۳ھ سے لے کر پانچویں صدی کے آغاز ۴۲۸ھ تک سرانجام دیا۔ اسی طرح ابوحاتم الرازی صاحب کتاب الزنیہ واعلام النبوۃ بڑا عالم اور مصنف مانا گیا ہے۔

ابوعبداللہ النسفی بڑا قابل اسماعیلی داعی، ماہر ادیب اور فلسفی اور کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ ابو یعقوب السنجوی الملقب بہ دندان اسماعیلیوں کا مشہور مانا ہوا مناظر اور قابل مصنف تھا۔ اس نے مشہور فلسفی اور طبیب محمد بن ذکریا الرازی سے اعلام النبوۃ کے بارہ میں مناظرہ کیا اور برابر کی چوٹ رہی۔ کتاب اثبات النبوۃ، کتاب الشرائع اور کتاب کشف الاسرار، کتاب ینابیع اور کتاب الموازین بڑی عمدہ اور قابل مطالعہ تصانیف ہیں۔ بوہرہ خوجے اس کی بعض کتابوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔

ابوحنیفہ النعمان بن ابی عبداللہ المغربی الشیعی بھی بڑا قابل اور مجتہد اور مانا ہوا مصنف تھا۔ اس کی کتابوں کو بھی بوہرہ اسماعیلی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ابوحنیفہ النعمان پہلے **مالکی المذہب** تھا۔ مصر میں جب فاطمی حکومت قائم ہوئی تو اس نے اسماعیلی مذہب اختیار کر لیا اور ایک وقت میں آکر اسماعیلی مذہب کا داعی الدعاۃ منتخب ہوا۔ یہ عبیداللہ المہدی القائم، المنصور تینوں فاطمی خلفاء کے زمانہ میں صاحب اثر ورسوخ رہا اور مختلف علاقوں کا قاضی بنا۔ اسماعیلی فقہ، مناظرہ، تاویل، عقائد، تاریخ اور وعظ و تذکیر میں اس کی کئی کتابیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس سے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کی کتاب ''دعائم الاسلام'' اسماعیلی فقہ کا ایک عمدہ مجموعہ ہے اور بوہرہ اسماعیلی اسے اپنے فقہی مسلک کی اساس سمجھتے ہیں۔ اس میں ابوحنیفہ الشیعی نے ارکان اسلام سات گنوائے ہیں۔ عام معروف ارکان پانچ ہیں اور ان میں ولایت ائمہ اہل بیت اور طہارۃ کا اضافہ کیا ہے۔ بہرحال ابوحنیفہ النعمان الشیعی کی کتب ظاہر احکام پر مبنی ہیں۔ باطن اور سر سے متعلق کتب میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے جو اسماعیلی فرقے سرّ اور باطنی علوم میں غلو رکھتے ہیں جیسے النزاری یا الارزی وہ ابوحنیفہ النعمان کی کتابوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ اسماعیلی مصنفین میں سے ایک اہم مصنف جعفر بن منصور الیمنی ہے اسے باب ابواب المعز کا لقب دیا گیا۔ جو قاضی القضاۃ کے مرتبہ سے بلند تھا۔ زیادہ تر اسماعیلی اسرار، باطنی نظریات اور تاویلات اسماعیلیہ سے متعلق کتب لکھی ہیں۔ مثلاً ''تاویل الزکاۃ'' ''سرائر النطقاء'' ''الشواہد والبنیان'' ''تاریخ الائمہ المستورین'' اور ''کتاب الکشف'' اس نے آیات قرآنی کی جو تاویل کی ہے اس کی ایک مثال یہ ہے۔ **سورہ التین** میں تین سے مراد حسنؓ ہیں اور **زیتون** سے حسینؓ **طور سینین** سے آنحضرت ﷺ اور هذالبلد الامین سے علیؓ ہیں آخر الذکر کتاب الکشف کے بارہ میں اس کی وصیت یہ تھی کہ اس کے اسرار کو عام نہ کیا جائے۔

حمید الدین احمد بن عبداللہ الکرمانی بھی اسماعیلی دعاۃ میں بڑا نامور گزرا ہے۔ یہ بڑا فلسفی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ الحاکم بامراللہ کے بارہ میں جو یہ مشہور ہے کہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا۔ یہ سراسر بہتان ہے۔ اسماعیلی واحدانیت الٰہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ الکرمانی صفات وجودیہ اور تنزیہ کا منکر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی کوئی صفت نہیں البتہ مبدع اول کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ اسماعیلی مبدع اول کو السابق والقلم کہتے ہیں اور فلاسفہ کے ہاں اس کا نام العقل الکلی ہے۔ اسماعیلیوں کے نزدیک ائمہ بھی ''السابق'' کی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ لان الامام فی عصرہ مثل للسابق و لهذا یمدح بهذا الصفات۔ فقہی مسائل میں ظاہر کے لحاظ سے اسماعیلی شیعہ اثناعشری شیعوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ پاؤں پر مسح کیا جاتا لیکن جرابوں اور موزوں پر مسح کی اجازت نہ تھی۔ آذان میں **الصلوة خیر من النوم** کی بجائے **حی علی خیرالعمل محمد و علی خیر البشر** کا اضافہ کیا گیا۔ فاطمی حکومت میں دعائے قنوت پڑھنے نیز نماز تراویح اور صلوٰۃ پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ نماز جنازہ میں چار کی بجائے پانچ تکبیریں کہی جاتی تھیں۔ جمعہ کے روز عباسی خلفاء کی بجائے فاطمی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا اور ائمہ کے فضائل ان کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ ایسے ہی کم وبیش مختلف اختلافات تھے۔ بعض سبزیاں یا کھانے منع تھے کیونکہ یہ صحابہ خاص طور پر ابوبکرؓ اور عائشہ کو پسند تھے یا ائمہ اہل بیت ان کو ناپسند کرتے تھے۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۱۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء تا ۲۳/اکتوبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۷

الدروز یا الدرزیه

فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ نے خدائی کا دعویٰ کیا یا نہیں کیا، اس بارہ میں اختلاف ہے۔لیکن یہ مسلمہ بات ہے کہ الحاکم ایک متلون مزاج، دیوانہ ذہن، خود بین خلیفہ تھا اور اس بات کو پسند کرتا تھا کہ لوگ اس کے سامنے سجدہ کریں۔ چنانچہ اس کے انہی حالات کی وجہ سے اسماعیلیوں کا ایک گروہ اس بات کا دعویدار ہوا کہ الحاکم الـــہ ہے یا اللہ نے اس میں حلول کیا ہے۔اس نظریہ کا سرگرم داعی حمزہ بن علی الزوزنی اور محمد بن اسماعیل الدرزی وغیرہ تھے۔ یہ سب کے سب فارسی تھے اور ملوک فرس کی تـألـہ کے بارہ میں فارسیوں کے جو نظریات ہیں یہ ان سے متاثر تھے۔محمد بن اسماعیل الدرزی نے اس دعوت کو عام کیا۔ کتابیں لکھیں۔ الحاکم کے مقربین میں شامل ہوا اور الحاکم کی چھاؤنی میں اس نظریہ کی خوب اشاعت کی اور مختلف داعیوں کو اپنا ہمنوا بنایا۔ بعد میں یہ شخص مصر سے بھاگ کر شام کے پہاڑی علاقہ میں پناہ گزیں ہوا اور یہاں اپنا مرکز قائم کیا اور ارد گرد کے علاقہ میں اس نظریہ کو پھیلایا۔ چنانچہ اب تک لبنان اور حوران میں اس کے پیرو موجود ہیں جو دروز یا درزیہ کہلاتے ہیں۔

دوروز ظہور توحید کے طور پر اپنا سال ۴۰۸ھ سے شروع کرتے ہیں۔ یہی وہ سال ہے جس میں حمزہ بن علی الزوزنی نے تا لہ الحاکم کے نظریہ کا اظہار کیا۔ دروز کا فرقہ دو گروہوں میں منقسم ہوتا ہے۔ روحانیوں اور جسمانیوں۔ روحانی گروہ کے تین درجے ہیں۔

رءوسا، عقلا اور اجاوید۔ رءوسا الدرزیہ کے کلید بردار امین ہوتے ہیں۔ عقلاء کے پاس داخلی اسرار کی مفاتیح ہوتی ہیں جن کا تعلق دروز کی تنظیم اور مذہبی تربیت ہے۔ اجاوید کے پاس اسرار خارجیہ کی چابیاں ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعہ دوسرے مذاہب کے ساتھ رابطہ قائم رکھا جاسکتا ہے۔

دروز کا دوسرا گروہ جسمانیوں کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک الامراء الجثمانیوں اور دوسرے العامہ (الجہال)۔ الامراء الجثمانیوں حرب وضرب اور زعامہ وطنیت کے انچارج ہوتے ہیں اور جہّال سے مراد وہ طبقہ ہے جو صرف مذہب کا نام جانتا ہے اس کے مسائل اور اس کے فلسفہ سے ناواقف محض ہوتا ہے۔ یہ دونوں طبقات روحانی طبقات کا مقام کبھی حاصل نہیں کرپاتے۔

رسائل الحاکم بامر اللہ کے مباحث بحیثیت مجموعی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حاکم خدائی طاقتوں کا مدعی تھا۔ دروز قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کے قائل ہیں لیکن اس کی آیات کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کا ظاہر مراد نہیں بلکہ باطن مراد اور مطلوب ہے۔ ان کی تاویل کی ایک مثال یہ ہے کہ نماز سے مراد حفظ الاخوان اور روزہ سے مراد صدق اللسان ہے اور روحیں تناسخ کے چکر میں سرگرداں رہتی ہیں۔ اسے وہ تـقـمـص کہتے ہیں یعنی وہ چولے بدلتی رہتی ہیں ۔ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ یہ کائنات قدیم ہے اور ابدی بھی ہے، کبھی نابود نہیں ہوگی۔

النزاریہ

الحسن بن الصباح کی تحریک اور آغاخانی اسماعیلی

آٹھویں فاطمی خلیفہ المستنصر کی وفات کے بعد اس کے جانشین کے بارہ میں نزاع پیدا ہوگیا۔ خود المستنصر نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس کا جانشین اس کا بڑا بیٹا ابو منصور نزار بنے لیکن وہ اپنی اس خواہش کو بوجوہ پورا نہ کرسکا اور اس کی وفات کے بعد اس کے وزیر الافضل نے اکثر امراء اور حکام کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ نزار کی بجائے اس کے چھوٹے بھائی ابوالقاسم احمد المستعلی باللہ کی بیعت کی جائے چنانچہ مستعلی باللہ نواں (۹) خلیفہ منتخب ہوگیا۔ بعض امراء نے اس تبدیلی کا برا منایا اور انہوں نے نزار کی تائید کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور نزار کو گرفتار کر کے دیوار میں چنوادیا گیا بہر حال نزار کے حامیوں میں الحسن بن صباح بھی تھا۔ اس نے دعوت نزاریہ کے لئے تحریک چلائی اور ایران کے محفوظ پہاڑوں میں اپنا مرکز بنایا۔ یہ ۴۸۳ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ یہاں سے دعوت مستعلیہ کے مقابلہ میں دعوت نزاریہ کا آغاز ہوا۔ اس نظریہ میں امام مستور کی طرف دعوت ایک مرکزی نقطہ تھا۔ الحسن بڑا عالم اور فلسفہ کے عملی پہلوؤں کا ماہر اور اعلیٰ تنظیمی قابلیتوں کا مالک تھا۔ اس نے اس علاقہ میں رہنے والے اسماعیلیوں کو منظم کیا۔ دعاۃ کے ایک نئے سلسلہ کا آغاز کیا۔ اپنے حامیوں کی تربیت کے محفوظ مراکز قائم کئے۔ رود بار، قوہستان اور طالقان جو خراسان کے پہاڑی علاقے تھے ان میں سینکڑوں قلعے بنوائے اور عسکری انداز کی گروہ بندی کی۔ شام کی طرف بھی اپنے داعی بھیجے اور حسب حالات چھپ کر یا کھلے بندوں سلجوقیوں اور مستعلیوں پر چھاپے مارنے کی منصوبہ بندی کی۔

علمی لحاظ سے الحسن اس بات کی دعوت دیتا تھا کہ حقیقت باطنیہ تک پہنچنے کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے اور جب امام مستور ہو تو پھر اس کا نائب مصدر عرفان ہوتا ہے اور اس وقت وہ خود نائب امام اور مصدر عرفان ہے۔

خلافت عباسیہ نے جب الحسن کی تحریک کا خطرہ محسوس کیا تو علمی میدان میں سنی علماء کو آمادہ کیا کہ وہ اس تحریک کی مخالفت میں علمی دلائل مہیا کریں اور عمدہ کتابیں لکھیں۔

چنانچہ جن علماء نے اس میدان میں کام کیا ان میں امام غزالیؒ سرفہرست ہیں۔آپ نے الحسن بن صباح کی باطنی تحریک کے رد میں کتاب لکھی جس کا نام ''المستظھری'' رکھا۔ ایک اور کتاب'' المنقذ من الضلال ''میں بھی اس تحریک کے خلاف علمی دلائل مہیا کئے۔

الحسن الصباح نے اپنی جماعت کو کئی حصوں میں تقسیم کیا اور رابطہ کے لحاظ سے انہیں باہمی محبت،اخوت اور مرحمت کا نصب العین دیا۔ایک گروہ کے ذمہ علمی میدان میں کام کرنا تھا۔دوسرے گروہ کو بطور فدائی اور خفیہ طور پر امراء اور علماء کو قتل کرنے کی تربیت دی گئی۔یہ فدائی بڑی رازداری،انتہائی احتیاط اور بڑی جرأت کے ساتھ اپنے نشانہ پر وار کرتے تھے اور اس بات سے بالکل بے نیاز ہوتے تھے کہ اس راہ میں ان کی جان چلی جائے گا یا وہ بچ نکلیں گے۔ان فدائیوں کو مختلف انداز میں تیار کیا جاتا تھا۔ایک گروہ کو بھنگ کی عادت ڈالی جاتی تھی یا کسی اور طریق سے ان کے ذہن پر قابو پایا جاتا تھا اور انہیں تربیت دی جاتی تھی کہ جو فرض انکے سپرد کیا جائے بہر حال انہوں نے اسے سرانجام دینا ہے۔

بھنگ کے ذریعہ یا عمل تنویم کے ذریعہ ان کو مدہوش کر کے انتہائی خوبصورت باغوں میں لے جایا جاتا جو پہاڑی قلعوں کے اردگرد کے چشموں کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ ان باغوں میں محل نما مکانوں میں ہرقسم کی نعماء نغمہ وسرود اور خوبصورت عورتوں اور حسین لڑکوں سے مزین رکھا جاتا اور جن فدائیوں کو ان میں لایا جاتا ان کو کہا جاتا کہ یہ جنتیں ان کو ملتی ہیں جو امام یا نائب امام کے حکم کی دل وجان سے اطاعت کرتے اور اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔کچھ عرصہ ان باغوں اور محلات میں ان کو رکھ کر پھر سے بذریعہ عمل تنویم ان کو باہر لایا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ تو ایک عارضی نظارہ تھا جب تم امام کے حکم کی تعمیل میں اپنی جان قربان کرو گے تو دائمی طور پر ان جنتوں میں تمہارا ٹھکانہ ہوگا۔غرض اس طرح کے مختلف طریقوں سے کام لے کر الحسن نے جو دہشت گردی کی نفسیات کا ماہر تھا فدائیوں کے ایسے گروہ تیار کئے جنہوں نے اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء، قابل امرا اور عسکری قائدین کو موت کی نیند سلا دیا اور وہ خود بھی نزاری تحریک پر فدا ہو گئے۔

ملک شاہ سلجوقی کے انتہائی قابل وزیر اور مدرسہ نظامیہ بغداد کے بانی نظام الملک طوسی بھی اسی قسم کے ایک فدائی کے ہاتھوں شہید ہوئے کیونکہ انہوں نے الحسن کی تحریک کو کچل دینے کا عزم کیا تھا۔

فدائیوں کے علاوہ چھاپہ مار جنگ میں مہارت رکھنے والوں کا بھی ایک گروہ تیار کیا اور بعض لڑا کا قبائل کے جوانوں کو جنگ کی تربیت دی گئی۔ان تیاریوں کے بعد الحسن کھلے بندوں خلافت عباسیہ اور اس کے امراء اور عسکری قائدین کے سامنے ڈٹ گیا۔الحسن خود ایک مضبوط قلعہ میں رہائش پذیر تھا جس کا نام قلعہ الموت تھا۔اس کے اردگرد اور دور و نزدیک اس نے سینکڑوں قلعے بنوائے اور ان کے ذریعہ جنگی کارروائیوں کا آغاز کیا۔

الحسن کا لقب شیخ الجبل رئیس الدعوۃ اور داعی الدعاۃ تھا۔اس کے احکام امام کے احکام کے طور پر ہر طرف جاتے اور ان کی تعمیل ہوتی۔نائب الامام اور شیخ الجبل کے بعد خاص کام کرنے والے گروہوں میں دوسرا درجہ کبار الدعاۃ کا تھا۔یہ تین ہوتے تھے جو تین اقلیموں میں تقسیم شدہ دنیا میں ہر اقلیم کے ذمہ وار قرار دئے گئے تھے ۔الحسن کے زمانہ میں کیا بزرگ امید،الحسین القینی اور ابوطاہر بطور کبیر الدعاۃ کام کرتے تھے اور بڑی شہرت کے مالک اور الحسن کے بڑے معتمد تھے۔

تیسرا درجہ دعاۃ کا تھا جو الحسن کی مقرر کردہ دنیا کے تینوں اقلیموں میں شیخ الجبل اور کبار الدعاۃ کی ہدایت کے مطابق کام کرتے۔یہ داعی قاہرہ کے پڑھے ہوئے اور قلعہ الموت کے تربیت یافتہ ہوتے تھے۔ان کی اس قابلیت کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا کہ وہ تشکیک اور تلبیس کے طریق میں ماہر ہوں اور مختلف لوگوں کی نفسیات سے واقفیت رکھتے ہوں۔

چوتھا درجہ ''الرفاق''کا تھا جن کے ذمہ داعی تیار کرنا تھا۔ان کی شرط یہ تھی کہ وہ فلسفہ،منطق اور فقہ کے ماہر ہوں اور داعی کی علمی تربیت کر سکیں۔

پانچواں درجہ '' الفداویہ '' کا تھا جن کے ذمہ خفیہ طور پر دشمنوں کو قتل کرنے کا فریضہ تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

چھٹا درجہ '' اللاصقون'' کا تھا۔ان کے ذمہ صرف یہ فریضہ تھا کہ وہ عوام کو عمومی طور پر کسی گہرائی میں جائے بغیر دعوت نزاریہ سے مانوس کریں اور ان سے عہد وفاداری لینے کی کوشش کریں۔

ساتواں درجہ''المستجیبون'' کا تھا یعنی عوام جو دعوت نزاریہ سے مانوس ہیں یا نئے نئے ابتدائی مومن ہیں لیکن لوگوں کے عقائد میں تزلزل اور جستجو پیدا کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔

بہر حال باطنی تحریک کے یہ کارکن تفرّس،تانیس،تشکیک،تعلیق،تدلیس،تاسیس اور تخلیع کے مختلف ذرائع اپروچ سے کام لے کر اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرتے اور لوگوں کو شکار کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

عباسی خلفاء اور ان کے امراء نے الحسن الصباح کی دہشت پسند باطنی تحریک کو ختم کرنے کے لئے کئی مہمیں بھیجیں۔خونریز لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن اس تحریک کا استیصال نہ کیا جا سکا۔الحسن قریباً پینتیس سال تک خلافت عباسیہ کے لئے خوف وہراس کا باعث بنا رہا اور جب وہ ۵۱۸ھ میں فوت ہوا تو اس کی دہشت پسند باطنی تحریک پورے زور پر تھی

جواس کے جانشینوں کے ذریعہ برابر جاری رہی۔

صلیبی لڑائیوں میں بھی بعض اوقات انہوں نے صلیبیوں کی مؤثر مدد کی۔آخرکار ہمدان کے امیر ایلتمش ،جلال الدین بن خوارزم شاہ کی کوششوں اور فاتح بغداد ہلاکو خان کے حملوں کی وجہ سے فارس کے علاقہ میں الحسن کی تحریک کا استیصال کر دیا گیا۔شام کے علاقہ میں ان کا زور صلاح الدین ایوبی کے ذریعہ ختم ہوا۔اور ایک دہشت پسند تحریک اپنے کئے کی سزا بھگت کر اپنے انجام کو پہنچی۔

اب نزاری اور مستعلی اسماعیلیوں میں سے مختصر سے گروہ ہیں جو امن پسند شمار ہوتے ہیں اوران کے قائد بڑے سلجھے ہوئے امن پسند مشہور شہری ہیں۔ان کی آبادیاں شام اور ہندوستان کے جنوبی ساحلوں پر ہیں۔زیادہ تر تجارت پیشہ یا صنعت وحرفت سے متعلق ہیں اور آغا خانی اسماعیلی یا بوہرہ اسماعیلی کے نام سے مشہور ہیں۔آغا خانی اسماعیلیوں کے سربراہ آغا کریم خان ہیں اور یہ نزاری مسلک کی نمائندگی کرتے اور بوہرہ اسماعیلیوں کے سربراہ مولانا سیف الدین طاہر ہیں جن کا مرکز بمبئی میں ہے۔یہ مستعلیہ مسلک کی نمائندگی کرتے ہیں۔

بوہرہ عام طور پر شریعت کے پابند ہیں اور فقہ جعفریہ کے قریب ہیں۔لیکن آغا خانی شیعہ ظاہری شریعت کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اور اپنے امام کی باطنی اطاعت کو دین کے اغراض کے لحاظ سے کافی سمجھتے ہیں۔آغا خانی شیعوں کا ظاہری شعار کچھ اس طرح کا ہے۔

۱۔۔۔۔۔قرآن کریم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر حجاب اکبر ہے۔حقیقت اور باطن تک نہیں پہنچنے دیتا اس لئے اس حجاب کو دور کرنے اور نور ازلی تک پہنچنے کے لئے روحانی امام کا ہونا ضروری ہے۔ جو علوم نبویہ کا وارث اور وصی ہوتا ہے۔ یہ حاضر امام حق و باطل اور صحیح اور غلط میں تمیز کرتا ہے اور قرآن کریم کے باطنی معنوں کو بذریعہ وحی کھولتا ہے کیونکہ وہ مجسم قرآن ناطق ہے اور دوسرے لوگوں کے پاس جو قرآن ہے وہ قرآن صامت ہے۔

آغا خانی شیعہ بعض دوسرے اسماعیلی فرقوں کی طرح تقمیص اور تناسخ کے بھی قائل ہیں۔آغا خانی شیعوں کا کلمہ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رّسول الله و اشهد ان عليا وصی الله ہے۔

۲۔۔۔۔۔آغا خانی شیعوں کا باہمی سلام 'یا علی مدد' اور جواب سلام 'مولا علی مدد' ہے۔

۳۔۔۔۔۔آغا خانی شیعہ وضو کی ضرورت نہیں سمجھتے ۔ان کے دل کا وضو ہوتا ہے۔

۴۔۔۔۔۔ہر آغا خانی شیعہ پر نماز کی جگہ تین وقت کی دعا فرض ہے۔اس دعا میں امام حاضر کا تصور ضروری ہے۔قیام، رکوع، سجدہ اور قبلہ رخ ہونے کی ضرورت نہیں۔

۵۔۔۔۔۔اصل روزہ زبان، کان اور آنکھ کا ہے۔اس لئے کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر کوئی چاہے تو سوا پہر کا کھانے پینے کا روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔

۶۔۔۔۔۔زکوٰۃ سے مراد آمدنی میں سے فی روپیہ دو آنے کے حساب سے امام حاضر کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا ہے۔

۷۔۔۔۔۔حج سے مراد ''امام حاضر کا دیدار'' ہے کیونکہ زمین پر صرف وہی خدا کا روپ ہوتا ہے۔

۸۔۔۔۔۔جو آغا خانی شیعہ امام حاضر کی خدمت میں ایک مقررہ رقم پیش کرے اسے امام حاضر کی طرف سے ''اسم اعظم'' عطا ہوتا ہے۔(یہ رقم پاکستانی آغا خانی کے لئے ۷۵ روپے کے قریب ہے)۔

۹۔۔۔۔۔اگر کوئی آغا خانی عمر بھر کی عبادت معاف کرانا چاہے تو اسے بھی امام حاضر کی خدمت میں ایک مقررہ رقم پیش کرنی پڑتی ہے۔جو آغا خانی جماعت خانوں میں بطور دان دی جاتی ہے۔(یہ رقم پاکستانی آغا خانی کے لئے پانچ ہزار ہے)۔

۱۰۔۔۔۔۔حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ایک مقررہ رقم پیش کرنا ہوتی ہے جو آغا خانی جماعت خانوں میں بطور دان دی جاتی ہے۔

نوٹ: یہ قواعد وہدایات پرنس آغا خان فیڈرل کونسل پاکستان کراچی کے ایک سرکلر سے مأخوذ ہیں جو آغا خانی برادری کی رہنمائی کے لئے جاری کیا گیا۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۷ء تا ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۸

القرامطه

عبداللہ بن میمون الاسماعیلی نے اپنے عارضی مرکز اہواز سے اپنے ایک داعی الحسین الاہوازی کو دعوت اسماعیلیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں سواد کوفہ کی طرف بھیجا جہاں وہ حمدان بن الاشعث قرمط سے ملا۔حمدان قرمط اس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسماعیلی تحریک میں شامل ہو گیا اور بعد میں اس علاقہ کا انچارج داعی بن گیا اور بغداد کے نواحی علاقہ کو مرکز بنا کر اشاعت کے فرائض سرانجام دینے لگا۔جب اس کی دعوت چمکی تو اس نے اپنے متبعین کو ہتھیار خریدنے اور انہیں اپنے پاس رکھنے کی تلقین کی۔یہ ۲۷۶ھ کا واقعہ ہے۔اس

نے اگلے ہی سال اس علاقہ میں قتل و غارت اور لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنایا اور لوگوں میں دہشت پھیلائی۔ حمدان نے عربوں میں اپنی دعوت کو فروغ دیا اور اس میں خاصی کامیابی حاصل کی۔اس نے خاص انداز کا مالی نظام بھی قائم کیا۔وہ ہر چھوٹے بڑے مرد عورت سے ''الفطرہ'' کے نام سے ایک درہم وصول کرتا اور ہر بالغ شخص سے ''الهجرہ'' کے نام سے ایک دینار لیتا اور کہتا کہ قرآن کریم کے حکم ''خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزکیهم'' کی تعمیل میں یہ رقم لیتا ہوں۔اور السابقون الاولون میں داخل کرنے کی فیس اس نے سات دینار مقرر کی جس کا نام اس نے 'البُلغة' رکھا۔جو شخص سات دینار ادا کرتا اسے ایک بُندق (ریٹھ کے برابر گولی) کی مقدار میں بڑا لذیذ حلوئی عنایت کرتا اور کہتا یہ جنتیوں کا کھانا ہے جو حضرت علیؓ پر اتارا گیا تھا۔اپنے ہر داعی کو سات سو دینار کے بدلہ میں ایک سو گولی دیتا اور کہتا لوگوں کو تبلیغ کرو اور ان کو حلوئی کی یہ گولیاں خریدنے کی ترغیب دو۔اس کے بعد اس نے خمس وصول کرنے کا آغاز کیا۔اس نے 'الاُلفہ' کے نام سے ایک تحریک چلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام لوگ اپنے اموال کو ایک مرکز میں جمع کریں۔وہ سب ان اموال میں برابر کے شریک ہونگے اور اس میں سے قومی مقاصد میں بھی خرچ کیا جائے گا۔ ہر ایک گاؤں میں اس نے ایک نمبردار مقرر کیا جس کے ذمہ یہ تھا کہ وہ لوگوں سے ہر قسم کا مال جمع کرے پھر ضرورتمندوں میں خرچ کیا جائے تا کہ اس کے زیرنگیں علاقہ میں کوئی محتاج اور غریب نظر نہ آئے۔اس نے کہا کہ ہر جوان اور بوڑھا، عورت اور بچہ کمائی کرے اور رقم جمع کر کے ہتھیار خریدے۔اس طرح ہر ایک کو اس نے مسلح کر دیا۔حمدان قرمط کا داماد عبدان بھی بڑا ذہین، ہر قسم کے فریب میں ماہر اور خبیث الفطرت اور اس کا دست راست تھا۔اس کے ذریعہ دعوت اسماعیلیہ کو خوب فروغ ملا۔ابوسعید الحسن بن بہرام القرمطی جو بلاد بحرین میں قرامطہ کی حکومت کا بانی بنا اس کے ذریعہ اسماعیلی ہوا تھا اور ذکرویہ بن مہرویہ نے بھی اسی کی تحریک پر اسماعیلی امام کی بیعت کی جو بعد میں شمال یعنی بادیة السماوہ اور شام کے بعض علاقوں کے قرامطہ کا سردار بنا۔ایک عرصہ بعد حمدان اور عبدان اسماعیلی امام کی اطاعت سے پھر گئے لیکن جلد ہی ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور قرامطہ کی زمام قیادت ابوسعید اور ذکرویہ کے ہاتھ میں آگئی۔ذکرویہ کے بیٹے یحیٰ نے شمال میں اتنی طاقت حاصل کر لی کہ اس نے دمشق پر حملہ کیا۔یہ ۲۸۹ھ کا واقعہ ہے لیکن اس حملہ کے دوران وہ قتل ہو گیا اور زمام اقتدار اس کے بھائی الحسین کے ہاتھ میں آگئی لیکن وہ بھی عباسی فوجوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ذکرویہ نے اپنے بیٹے کا انتقام لینے کے لئے عباسی فوجوں پر حملے شروع کر دئے اور حاجیوں کے قافلوں پر چھاپے مارے اور انہیں لوٹا۔

قطیف اور بحرین کے علاقوں میں ابوسعید الجنانی دعوت اسماعیلیہ کی خوب تبلیغ کی اور بڑی کامیابی حاصل کی۔اس نے ہجر پر بھی حملہ کیا۔آخر بحرین اور یمامہ کے علاقوں میں اپنی حکومت قائم کر لی۔عباسی خلیفہ المعتضد نے صورت حال کو نازک دیکھ کر یہ علاقہ اپنے ایک قائد العباس بن عمرو الغنوی کے سپرد کیا کہ وہ اس فتنہ کا استیصال کرے لیکن وہ ابوسعید سے شکست کھا گیا۔ابوسعید نے قیدیوں کو قتل کر کے جلا ڈالا اور ان کے اسلحہ پر قبضہ کر لیا اور اس طرح اطمینان سے وہ اپنے علاقہ کے حالات درست کرنے میں مصروف رہا، اپنی فوجوں کو خوب مسلح کیا۔نوجوانوں اور بچوں کو فوجی ٹریننگ دی۔زراعت کی طرف بھی توجہ دی۔اراضی کی اصلاح کی۔کھجوروں کے باغات لگوائے اور وہاں کے لوگوں کو خوشحال بنانے کی مقدور بھر کوشش کی۔اور اموال کی صحیح تقسیم کے لئے قابل اعتماد دیانت دار افسر مقرر کئے۔غرض قرامطہ نے شام کے علاقہ اور بحرین اور یمامہ کے اطراف میں عباسیوں کی بنیادیں ہلا دیں۔دمشق کے علاقہ کے والی قرامطہ کو تین لاکھ دینار سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔

ابوسعید ۳۰۱ھ میں اپنے ایک خادم کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔بعد میں اس کا بیٹا ابوطاہر برسر اقتدار آیا۔اس نے دولت فاطمیہ کی حمایت کی اور عباسیوں کے خلاف پالیسی اختیار کی اور فارس کے سمندروں میں بحری حملوں کا آغاز کیا تا کہ فاطمی مصر پر بآسانی قبضہ کر سکیں اور عباسی مزاحمت کمزور رہے۔

بعد میں فاطمیوں اور قرامطہ میں بوجوہ اختلاف ابھرے جن کی وجہ سے نوبت باہمی محاربت تک پہنچی۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دمشق کے علاقہ میں فاطمی اثر بڑھ جانے کی وجہ سے قرامطہ کا وہ خراج بند ہو گیا جو ہر سال قرامطہ کو ملا کرتا تھا۔ قرامطہ نے ان دنوں یہ کوشش بھی کی کہ ان کے تعلقات خلافت عباسیہ سے استوار ہو جائیں لیکن عباسی خلیفہ المطیع قرامطہ کو سخت ناپسند کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ لوگ دشمن اسلام ہیں اور کسی حمایت کے قابل نہیں۔تاہم الحسن القرامطی بنوبویہ کی امداد سے دمشق پر قابض ہو گیا۔ فاطمی والی کو قتل کر دیا اور مسجد اموی کے ممبر پر کھڑے ہو کر فاطمی خلیفہ المعز پر لعنت بھیجی۔فاطمی قائد جوہر کے ساتھ اس کی لڑائیاں ہوئیں اور بعض لڑائیوں میں جوہر بڑی مشکل سے بچا۔ ایک دفعہ تو قرامطہ قاہرہ کے دروازہ پر پہنچ گئے لیکن آخر کار شکست کھائی اور پسپا ہو گئے۔ایک دفعہ المعز نے الحسن بن احمد قرمطی کو بڑا تہدید آمیز خط لکھا جس کا جواب الحسن نے ان مختصر الفاظ میں دیا۔' وصل کتابک الذی قل تحصیله و کثر تفصیله و نحن سائرون الیک علی اثره والسلام' اس کے بعد الحسن مصر پر حملہ آور ہوا اور فاطمی خلیفہ جوڑ توڑ اور قرامطہ کے لشکر میں بعض اہم عناصر کو رشوت پیش کرنے کے ذریعہ بڑی مشکل سے غالب آسکا۔بہرحال قرامطہ باہمی نزاعوں اور حربی دھچکوں کے ہاتھوں کمزور ہو کر آخر عباسی فوجوں کی جنگوں میں نابود ہو گئے۔لیکن ان کے اقتدار کے ہاتھوں امت مسلمہ نے قریباً ایک صدی تک بیحد نقصان اٹھایا۔قرامطہ ابن القاسم اور ابوطاہر کی قیادت میں حاجیوں کے قافلوں پر حملہ کرتے، ان کے اموال لوٹ لیتے اور قتل و غارت سے باز نہ آتے۔ ۳۱۷ھ میں ابوطاہر قرمطی نے حج کے ایام میں مکہ پر حملہ کیا اور حاجیوں کو بکثرت قتل کیا، ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، سینکڑوں نعشیں چاہ زمزم میں پھینکوا دیں۔اموال لوٹ لئے اور حجر اسود کو اکھیڑ کر اپنے ساتھ الاحساء لے گیا۔اس وجہ سے سارا

عالم اسلامی ہل گیا۔سخت شور پڑا۔ فاطمی خلیفہ نے بھی اس حرکت کا برا منایا اور ابوطاہر کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود واپس کردے اور اس کے لئے پچاس ہزار دینار بطور معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش بھی کی لیکن قرامطہ حجر اسود کی واپسی پر رضامند نہ ہوئے۔آخر ہر طرف سے زور پڑنے اور بعض صوفیائے وقت کی کوششوں کی وجہ سے قریباً بائیس سال کے بعد ۳۳۹ھ میں حجر اسود واپس کرنے پر قرامطہ مجبور ہو گئے۔(تاریخ الجمیعات السریة صفحہ ۳۶۔۳۷۔ الفرق بین الفرق صفحہ ۲۱۹)

تنقل، تقمّص اور تناسخ کے بارہ میں چند نظریات

روافض اور معتزلہ کے بعض فرقے تناسخ کے قائل ہیں اور اس بارہ میں مختلف نظریات رکھتے ہیں۔

تناسخ کے بنیادی معنے یہ ہیں کہ مرنے کے بعد انسانی اور حیوانی روح فنا نہیں ہوتی بلکہ مختلف جونوں اور قالبوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور اس طرح مختلف حیوانی شکلیں اختیار کر کے دنیا میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ بہرحال بعض نے تناسخ کی یہ عمومی تعریف کی ہے۔ تنقل الارواح فی الاجسام اس قسم کے تناسخ کے قائل بعض شیعہ فرقوں کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔ذیل میں بعض ایسے فرقوں کا ذکر کیا جارہا ہے جو نظریہ تناسخ کی ایک خاص انداز سے تشریح کرتے ہیں مثلاً:

الحایطیه اور انکا نظریه تناسخ

یہ فرقہ احمد بن حایط کا پیرو تھا ۔احمد کا شمار معتزلہ میں ہوتا ہے اور اس کے خاص نظریات میں سے ایک نظریہ یہ تھا کہ تمام حیوانات بشمول انسان ایک ہی جنس کی اور ایک جیسی روح رکھتے ہیں۔اس جنس کی ارواح کو ایک اور عالم میں پیدا کیا گیا تھا۔یہ روح ہی **الحی العالم** اور **القادر** ہے۔ اور یہی مکلّف ہے **فجمیع انواع الحیوان محتمل للتکلیف** اس بنا پر ازل میں ہی سب حیوان احکام الٰہی یعنی امر اور نہی کے مخاطب تھے۔چنانچہ ازل میں بعض روحوں نے ان احکام خداوندی کی پوری پوری اطاعت کی اور بعض نے کوئی حکم نہ مانا۔جو روحیں فرمانبردار رہیں ان کو ہمیشہ کے لئے دارالنعیم میں رہائش ملی اور جن روحوں نے نافرمانی کی وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دی گئیں۔ مذکورہ روحوں میں کچھ ایسی بھی تھیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کو مانا اور بعض کی تعمیل نہ کی۔کچھ نیک کام کئے اور کچھ برے۔ ایسی روحوں کو اصلاح کا موقع دیا گیا اور انہیں اس غرض کے لئے دارالعمل یعنی دنیا میں بھیج دیا گیا اور ہر ایک کو اس کے اچھے یا برے اعمال کی مقدار اور نوعیت کے مطابق مختلف شکلیں دی گئیں۔کوئی انسان بنا،کوئی گھوڑا،کوئی گدھا،کوئی شیر،کوئی سؤر یا کتا اور کوئی پانی کا جانور مچھلی یا مگرمچھ۔اعمال ہی کی نوعیت کے لحاظ سے کسی کو آرام و آسائش میسر آئی اور بعض مشکلات اور مصائب سے دوچار ہوئے۔جن کے اعمال کسی لحاظ سے اچھے تھے انہیں خوبصورت اور دیدہ زیب جسم ملے اور جن کی برائیاں زیادہ تھیں انہیں برے اور مکروہ قوالب دئے گئے۔اس کے ساتھ ہی ہر شکل کے حیوانوں کی طرف ان کی جنس میں سے ہی رسول اور نبی مبعوث ہوتے رہتے ہیں جو ان رسولوں کی مانتے ہیں اور اپنی پوری پوری اصلاح کر لیتے ہیں انہیں واپس دائمی دارالنعیم میں بھجوا دیا جاتا ہے اور جو شریر اور نافرمان رہتے ہیں وہ دوزخ کی طرف دھکیل دئے جاتے ہیں اور جن کے اعمال ملے جلے کچھ اچھے اور کچھ برے ہوتے ہیں وہ مختلف جونوں اور قوالب کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔علامہ بغدادی احمد بن حایط کے نظریہ تناسخ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الارواح المشوبة تنتقل الی صور مختلفة من صور الناس والبهائم والسباع والحشرات وغیرها علی مقادیر الذنوب والمعاصی فی الدار الاولیٰ التی خلقهم الله فیها ...... و ان الروح لا یزال فی هذه الدنیا یتکرر فی قوالب وصور مختلفة ما دامت طاعته مشوبةبذنوبه وعلیٰ قدر طاعاته وذنوبه یکون منازل قوالبه فی الانسانیةوالبهیمة۔(**الفرق صفحہ ۲۰۶**)

احمد بن حایط کا یہ نظریہ بھی تھا کہ خدا دو ہیں ایک ازلی اور قدیم جس کا نام اللہ ہے اور دوسرا مخلوق اور حادث جس کا نام مسیح ہے۔ان معنوں میں ابن اللہ ہے جو ولادۃ کے مفہوم سے مبرا ہیں ای هو ابن الله علی معنیً دون الولادة ۔یہ دوسرا خدا ہی قیامت کے روز مخلوقات کا محاسبہ کرے گا۔اسی نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔قرآن کریم کی آیت ’’**و جآء ربک والملک صفاً صفاً**‘‘ میں رب سے مراد یہی مسیح ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان کہ ’’**ترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر**‘‘ اس سے اسی مسیح کی رویت اور اس کا جلوہ مراد ہے۔علامہ بغدادی احمد بن حایط کے اسی قسم کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں’**قال احمدبن حایط ان المسیح تدرّع جسداً وکان قبل التدرع عقلاً و هواکرم الخلق عندالله**‘(الفرق صفحہ ۲۰۶،۲۰۹)

احمد بن ایوب کا نظریه تناسخ

ایک اور شخص جس کا نام احمد بن ایوب بن بانوش تھا اس کا تناسخ کے بارہ میں نظریہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو بیک وقت بالکل ایک جیسا پیدا کیا۔یہ سب اللہ تعالیٰ کی ’’دارالنعیم‘‘ یعنی جنت میں مزے سے عیش و آرام سے رہتے تھے۔ایک لمبے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ اگر تم میں سے کوئی دوسروں سے بڑھنا چاہتا ہے اور

مساوات کی ایک جیسی زندگی سے تنگ آ گیا ہے تو وہ اس کے لئے ایک مقررہ امتحان دے سکتا ہے جس کی بناء پر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ کسی کو بلند تر اور افضل تر درجہ دیا جائے۔ احمد بن ایوب کہا کرتا تھا 'ان منزلة الاستحقاق اشرف من منزلة التفضيل۔ بہرحال خدا کی اس پیشکش کے موقع پر مخلوقات میں سے بعض نے کہا کہ ہم اسی حال میں اچھے ہیں اور تیرے فضل کے شکر گذار ہیں اور بعض دوسرے امتحان دینے کے لئے تیار ہو گئے تا کہ وہ استحقاق کی بناء پر اور امتحان میں کامیابی حاصل کر کے دوسروں سے بڑھ جائیں۔ ایسے سب افراد کو اللہ تعالیٰ نے دارالامتحان یعنی دنیا میں بھیج دیا۔ یہاں آ کر بعض نے پوری پوری اطاعت کی اور امتحان میں کامیاب رہے اور بعض نافرمانی کی وجہ سے امتحان میں فیل ہو گئے۔ جو کامیاب ہوئے انہیں اعلیٰ اور برتر رتبہ عطا ہوا اور جنہوں نے نافرمانی کی وہ فیل ہو گئے۔ وہ اپنے پہلے مقام سے بھی گر گئے اور تناسخ کے چکر میں ڈال دئے گئے۔ کسی کو انسانی جسم ملا اور کسی کو حیوانی قالب۔ جن کو حیوانی قالب ملا یعنی امتحان میں بری طرح فیل ہو گئے وہ مرفوع القلم قرار پائے۔ 'أی صاروا بهائم او سباعاً بذنوبهم و ارتفع عنهما التكليف' بہرحال یہ حیوان ایک لمبے عرصہ تک تناسخ کے چکر میں پھنسے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی سزا پوری ہو جائے تب انہیں پھر اس پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا جائے گا جس میں وہ سب برابر تھے۔ اس کے بعد پھر انہیں حسب سابق امتحان کا اور اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ غرض یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے اور چلتا رہے گا۔ ابن ایوب کے اس نظریہ تناسخ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ بغدادی لکھتے ہیں: 'ان المكلفين من يعمل الطاعات حتى يستحق ا ن يكون نبيا او ر ملكاً فيفعل الله ذالک۔ بعض نے اس نظریہ تناسخ کی تشریح میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود امتحان کی پیشکش نہیں کرے گا بلکہ اس دنیا کے لوگ تفاضل اور رفع درجات کا مطالبہ کریں گے اور کہیں گے 'لن نصبر علىٰ طعام واحد' اس پر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ اگر تم تفاضل اور ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے امتحان اور آزمائش میں سے گزرنا ہوگا۔ چنانچہ کچھ امتحان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اس طرح تناسخ کے چکر میں پھنس جائیں گے یا کامیاب ہو کر برتر درجہ حاصل کر لیں گے۔ آیت کریمہ " انا عرضنا الاما نة علی السمٰوات و الارض و الجبال" (الاحزاب :۷۳) میں اسی امتحان اور آزمائش کی طرف اشارہ ہے۔ (الفرق صفحہ ۲۰۸)

ابومسلم خراسانی کا نظریہ تناسخ

تناسخ کے بارہ میں ابومسلم خراسانی کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت تمام ارواح کو پیدا کیا اور ان سب کو مکلّف بنایا یعنی احکام شرعیہ کا ان کو پابند کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان ارواح میں سے کون اطاعت گذار ہونگے اور کون نافرمانی کریں گے اس طرح جن ارواح کی تقدیر میں نافرمانی لکھی تھی ان کو ان کے مقدرہ اور مفروضہ گناہوں کی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے مختلف جونوں اور قوالب میں ڈالا گیا۔ (الفرق صفحه ۲۰۸)

غلو کے بارہ میں اعتدال پسند شیعہ علماء کی رائے

اعتدال پسند شیعہ علماء نے بھی غلو پسند باطنی تحریکات کے خلاف اظہار افسوس کیا وہ سب کے سب ان غلو پسند فرقوں کی مذمت میں دوسرے معتدل المسلک مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ مشہور شیعہ عالم الصدوق القمی جو مجتہد العصر الشیخ المفید کے استاد تھے اپنی مشہور کتاب'' اعتقادات الصدوق'' میں لکھتے ہیں:

''اعتقادنا فی الغلاة و المفوضة انهم کفار بالله جل اسمه و انهم شر من اليهود والنصارىٰ والمجوس والقدرية والحرورية و من جميع اهل البدع والاهواء المضلة و انهم ما صغّر اللّه عزّ و جلّ جلاله تصغير هم بشی ء کما قال الله ''ما کان لبشر ان يؤتيه الله الکتاب والحکم والنبوة ثم يقول للناس کونوا عباداً لی من دون الله ولکن کونوا ربانيين بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون ولا يأمرکم ان تتخذوا الملائكة والنبيين ارباباً أيامرکم بالکفر بعد اذا أنتم مسلمون'' (آل عمران:۷۹،۸۰) (اعتقادات الصدوق صفحہ ۳۹)

اسی طرح حضرت امام جعفر صادق فرمایا کرتے تھے لا تقاعدوا الغلاة ولا تشاربوهم ولا تصافحوهم ولا تناکحوهم ولا توارثوهم'۔ (معرفة اخبار الرجال صفحہ ۱۹۱) یعنی غلو پسند اور مفوضہ فرقوں کے بارہ میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں۔ یہود، نصاریٰ، مجوس، معتزلہ، قدریہ، خارجی حروریہ اور دوسرے بدعتی اور نفس پرست گروہوں سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں ان کی پست ذہنی کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا وہ بالکل اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں کہ ایک انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب شریعت دے، حکومت بخشے اور نبوت کے مقام پر فائز کرے۔ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ ایسا مقرب انسان تو یہ اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم شریعت کو جانتے ہو اور اسے پڑھتے ہو۔ وہ کبھی بھی تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو کیا وہ تمہیں اس کفر کی تبلیغ کر سکتا ہے جبکہ تم سچے مسلمان ہو۔ حضرت امام جعفر صادق فرمایا کرتے تھے کہ غلو پسند لوگوں کے پاس بیٹھنا ان سے میل ملاپ رکھنا، ان کے ساتھ کھانا پینا، ان سے مصافحہ کرنا سب قسم کے سوشل تعلقات چھوڑ دو۔ ان سے نکاح شادی کی اجازت نہیں اور نہ تم آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہو۔

باطنی تحریکات کے خطرناک اثرات

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اہل بیت کی محبت وموالات کا دعویٰ لے کر جو شیعہ تحریک اٹھی تھی وہ کئی مراحل میں سے گزرتی اور مختلف انداز کی باطنی تحریکات کی شکل اختیار کرتی ہوئی اقصائے مغرب سے لے کر ہندوستان اور ترکستان کے کناروں تک ایک لمبا عرصہ ذہنی انتشار اور سیاسی خلفشار کا باعث بنی رہی۔ خصوصاً چوتھی اور پانچویں صدی میں تو ان باطنی تحریکات نے ایک خوفناک فتنہ کی صورت اختیار کر لی تھی جس کی وجہ سے ممالک اسلامیہ میں سیاسی استحکام مفقود ہو کر رہ گیا۔ اسی قسم کی تحریکات کا یہ نتیجہ تھا کہ فلسطین اور شام کے علاقوں میں صلیبیوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور مشرق میں خوارزم کی حکومت تاتاری یلغار کا شکار بنی اور بعد میں خلافت عباسیہ کے خاتمہ اور بغداد کی تباہی پر منتج ہوئی۔ مغلوں اور عثمانی ترکوں کے زمانہ میں یہ باطنی تحریکات کسی حد تک دب گئی تھیں لیکن مغربی استعمار کے بعد پھر سے ان تحریکات میں جان پڑ گئی اور ان کے پھولنے پھلنے کے خاصے اسباب سامنے آ گئے۔ بہائیت بھی باطنی تحریک کا ہی ایک شاخسانہ ہے۔ دوسری طرف ایران، شام اور لبنان اور ایک حد تک عراق اور پاکستان بھی انہی فتنوں کی زد میں ہے۔ عرب کے دوسرے علاقے بھی ان فتنوں کے مضمرات سے محفوظ نہیں۔

باطنی تحریکات نے کیا کیا شکلیں اختیار کیں اور ان سے امت مسلمہ کو کس قسم کے دینی، تمدنی اور سیاسی نقصان پہنچے یہ ایک لمبی داستان ہے۔ علامہ بغدادی ان تحریکات کی تباہ کاریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: 'ان ضرر الباطنية على فرق المسلمين اعظم من ضرر اليهود والنصاریٰ والمجوس عليهم بل اعظم من ضرر الدهرية و سائر اصناف الكفرة' ۔ (الفرق صفحہ ۲۱۳)

یعنی باطنی تحریک سے جو نقصان امت مسلمہ کو پہنچا وہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور دہریہ تحریکات سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ باطنی تحریکات سے جو کمزوری پیدا ہوئی اسی نے ان طاقتوں کے آگے بڑھنے کے لئے راہ ہموار کی۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۳۱؍اکتوبر ۱۹۹۷ء تا ۶؍نومبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۹

خوارج اور ان کے بڑے ضمنی فرقے

خوارج وہ لوگ ہیں جو جنگ جمل اور صفین کے بعد اس لئے حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں انہیں غلام بنانے کی اجازت نہیں دی اور معاویہ کے مطالبہ پر ''حکم'' مقرر کرنے کی تجویز مان لی۔ اس طرح ان کے خیال میں حضرت علیؓ نے حق کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ اس نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی اور حضرت علیؓ کو ان باغیوں کے خلاف متعدد لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ یہ لوگ دراصل ان عناصر کا حصہ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کر کے ان کو شہید کر دیا تھا۔ ان لوگوں کو ڈر تھا کہ اگر مسلمانوں کے دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہو گئی تو پھر ان کی خیر نہیں۔ انہیں خلیفہ وقت کو شہید کرنے کی سزا ملے گی۔ اسی خلاف کی بناء پر یہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو کافر کہتے تھے۔ علامہ کعبی خوارج کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انّ الذی یجمع الخوارج على افتراق مذاهبهما اكفار على و عثمان والحكمين و اصحاب الجمل و كل من رضى بالتحكيم و الاكفار بارتكاب الذنوب و وجوب الخروج على الامام الجائر. (الفرق بين الفرق صفحہ ۵۰)۔ یعنی خوارج باوجود باہمی اختلاف کے مندرجہ ذیل باتوں پر متفق ہیں۔ علی، عثمان اور دونوں حکم اور جنگ جمل میں شامل ہو کر علی کے خلاف لڑنے والے اور وہ جو حکم مقرر کرنے کے فیصلہ کو درست مانتے ہیں یہ سب کافر ہیں۔ اسی طرح جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ بھی کافر ہے ظالم حاکم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا اور اس سے لڑنا بھی واجب ہے۔ یہ تھا خوارج کا آغاز بعد ازاں آہستہ آہستہ یہ باغی گروہ کئی ضمنی فرقوں میں بٹ گیا جن میں سے چند بڑے بڑے فرقے مندرجہ ذیل تھے۔ المحكمة الاولیٰ، الا زارقه، النجدات، الصفريه، العجارده، اباضيه، العجارده کے ذیلی فرقے یہ تھے الخازميه، الشعيبيه، المعلوميه، المجهوليه، المعبديه، الرشيديه، الكرمة، الحمزية الشيبانيه، الا براهيمية، الواقفية، الميمونية۔

الا باضية کے ذیلی فرقے یہ تھے الشبيبيه، الحارثية، اليزيدية، الميمونيه۔ ان مندرجہ بالا فرقوں میں سے بعض کا مختصر بیان آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خوارج کے مختلف ضمنی فرقے

۱......الـمُـحَكِّمَةُ الاُولیٰ: خوارج کا یہ پہلا گروہ ہے جو بحیثیت فرقہ تاریخ کے صفحات میں ریکارڈ ہوا ہے۔ قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ بنو یشکر کے ایک آدمی نے تحکیم کے فیصلہ کے خلاف بطور احتجاج نعرہ لگایا کہ' انی قد خلعت عليا و معاوية برئت من حكميهما' کہ میں علی ، معاویہ اور ان کے مقرر کردہ حکموں سے بیزار اور الگ ہو گیا ہوں۔ اس قسم کے خیال کے بہت سے لوگ صفین کے مقام سے واپس آ کر حروراء نامی علاقہ میں جمع ہو گئے۔ ان کی تعداد قریباً بارہ ہزار تھی۔

حروراءمقام کی وجہ سے ہی خوارج کو حروریّہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ حروراء سے نہروان کے علاقے میں پہنچے۔ حضرت علیؓ کو جب ان کے اس اجتماع کی خبر ملی تو آپ چار ہزار کا لشکر لے کر ان کے استیصال کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر ان سے پوچھا کہ وہ کیوں مخالفت پر آمادہ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جنگ جمل میں فتح حاصل کرنے کے بعد آپ نے شکست خوردہ لوگوں کو غلام بنانے کی کیوں اجازت نہ دی۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ لوگ مسلمان تھے اور مسلمان کو غلام بنانا جائز نہیں۔ آپ نے ان کو شرمندہ کرنے کے لئے فرمایا اگر میں غلام بنانے کی اجازت دیتا تو عائشہؓ کو کس کے سپرد کرتا۔ ای لو ابحت لكم النساء ۔أيكم يأخذ عائشةؓ۔ (الفرق بین الفرق صفحہ ۵۳)

ان خارجیوں نے اس موقع پر حضرت علیؓ سے اور بھی بہت سے سوال کئے۔ تحکیم کے فیصلہ پر اعتراض کیا۔ حضرت علیؓ نے سب کے تسلی بخش جواب دئے جس کی وجہ سے آٹھ ہزار کے قریب خارجی واپس حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے لیکن چار ہزار مقابلہ کے لئے اڑے رہے اور آخر سارے کے سارے جنگ میں مارے گئے۔ صرف نو افراد بچ سکے۔ دوسری طرف اس جنگ میں حضرت علیؓ کے لشکر کے بھی نو سپاہی شہید ہوئے۔ جو نو خارجی بچ گئے تھے وہ بھاگ کر بحستان، یمن، الجزیرہ اور تل موزن وغیرہ علاقوں کی طرف بکھر گئے اور وہاں جا کر خارجی فتنہ کے بیج بوئے۔

۲ ...... **الازارقہ:** یہ نافع بن الازرق کے پیرو تھے۔ انہیں ایک وقت میں بڑی شان و شوکت حاصل ہوئی اور خاصے بڑے علاقے پر ایک لمبا عرصہ قابض رہے۔ یہ فرقہ گناہ کے مرتکب کو مشرک قرار دیتا تھا۔ مخالفین کی عورتوں اور بچوں کے قتل کو جائز سمجھتا تھا۔ یہ لوگ رجم کے بھی منکر تھے اور صرف عورت پر تہمت لگانے والے کو قذف کی سزا دینے کے قائل تھے۔ ان کا یہ بھی نظریہ تھا کہ چور جیسا بھی ہو اس نے تھوڑا مال چرایا ہو یا زیادہ اس کے ہاتھ کاٹ دینے چاہئیں گویا یہ نصاب سرقہ کے قائل نہ تھے۔ اس فرقہ کی فوج بیس ہزار سے زیادہ تھی۔ یمامہ کے خارجی بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے اہواز اور کرمان کے علاقوں میں غلبہ حاصل کیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے لشکروں کو انہوں نے کئی بار شکست دی۔ آخر کار عبداللہ بن زبیرؓ نے مہلّب بن ابی صفرہ کو ان کے مقابلہ کے لئے تیار کیا۔ وہ بیس ہزار کا لشکر لے کر حملہ آور ہوئے۔ مہلّب قریباً بیس سال تک ان سے برسر پیکار رہا۔ انہی جنگوں میں نافع بن الازرق مارا گیا اور اس کا جانشین مشہور شاعر قطری بن الفجاۃ بھی کام آیا۔ اس طرح بڑی مشکلوں کے بعد ازارقہ کے فتنہ کا استیصال ہوا۔ اس فرقہ کے بے اثر ہو جانے کی ایک وجہ ان کا باہمی انتشار بھی تھا۔

۳...... **النجدات:** خوارج کا یہ فرقہ نجدہ بن عامر الحنفی کا پیرو تھا۔ اس فرقہ کی فوجیں ایک دفعہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئیں۔ وہاں لوگوں کو قتل کیا اور عورتوں کو لونڈیاں بنا کر لے گئے۔ ان عورتوں میں حضرت عثمانؓ کی ایک نواسی بھی تھی۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مطالبہ پر ان کے لیڈر نجدہ نے اس لڑکی کو واپس عبدالملک کے پاس بھجوا دیا۔ اس وجہ سے نجدہ کے پیرو اس سے ناراض ہو گئے اور کہا 'انک رددت جارية لنا علی عدونا'۔

ایک اور جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد انہوں نے مال غنیمت میں سے خمس نکالے بغیر کچھ خرچ کر لیا اور جنگ میں پکڑی ہوئی عورتوں سے مباشرت کی۔ بعد میں پریشان ہوئے کیونکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ گناہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہوتا ہے۔ اس پر ان کے لیڈر نجدہ نے کہا تم سے گناہ تو ضرور سرزد ہوا ہے لیکن یہ ایک اجتہادی غلطی تھی اس لئے مغفرت کی امید ہے۔ اس کے بعد خوارج کے اس فرقہ نے یہ اصول تسلیم کر لیا کہ خدا اور رسول کی معرفت اور خارجی مسلمانوں کے خون کی حرمت یہ ضروری احکام ہیں ان کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے جو کسی صورت معاف نہیں ہو سکتا۔ باقی امور میں اگر اجتہادی غلطی ہو جائے تو معذرت اور توبہ قبول ہو گی۔ یہ فرقہ حد خمر کا قائل نہ تھا۔ اس کا یہ بھی نظریہ تھا کہ جس جرم کی سزا حد ہو اور یہ سزا نافذ ہو گئی ہو تو ایسے سزا یافتہ مجرم کو دائمی عذاب نہیں ہو گا۔ یہ فرقہ بھی کئی مزید فرقوں میں بٹ گیا اور اس کا یہی باہمی اختلاف اس کی تباہی کا موجب بنا۔

۴...... **الصفریہ:** خارجیوں کا یہ فرقہ زیاد بن الاصفر کا پیرو تھا۔ اس فرقہ کے عقائد الازارقہ سے ملتے جلتے تھے البتہ یہ اپنے مخالفین کے بچوں کے قتل کا قائل نہ تھا۔ اس کا یہ نظریہ بھی تھا کہ جس جرم کی سزا بصورت حد نہیں اس کا ارتکاب کفر ہے اور جن جرائم کے مرتکب کو حد کی سزا ملی ہو اسے کافر کہنے کی بجائے اس جرم کے نام کی مناسبت سے پکارا جائے گا مثلاً زنا کرنے والے کو زانی، چوری کرنے والے کو سارق کہا جائے گا اسے کافر یا مشرک کہنا درست نہیں ہو گا۔ صفریہ کا ایک لیڈر عمران بن حطان بڑا عابد زاہد اور مشہور شاعر تھا لیکن حضرت علیؓ سے اس کو شدید بغض تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

یا ضربة من منيب ما اراد بها

الا ليبلغ من ذی العرش رضوانا

۵...... **العجاردہ:** یہ فرقہ عبدالکریم بن عجر کا پیرو تھا۔ یہ دس ضمنی فرقوں میں بٹ گیا۔ عقائد میں یہ ازارقہ سے متفق تھا۔ البتہ ان کا ایک نظریہ یہ تھا کہ بالغ

ہونے کے بعد ہر انسان کو نئے سرے سے کلمہ پڑھنے کی دعوت دینی چاہئے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اگر وہ یہ بات نہ مانے تو کافر ہوگا اور اگر مان لے تو مومن۔ اس فرقہ کے نزدیک مخالف مسلمانوں کے اموال بطور غنیمت لوٹ لینا جائز نہیں تھا۔

۶...... **الخازمیہ:** یہ فرقہ عام عقائد میں اہل السنّت والجماعت سے متفق تھا البتہ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ کی تکفیر کرتا تھا۔

۷...... **الحمزیہ:** یہ فرقہ حمزہ بن اکرک کا پیرو تھا۔ حمزہ کا اصل تعلق عجاردہ خازمیہ سے تھا لیکن بعد میں اس نے بعض معتزلی نظریات اپنا لئے بایں ہمہ خوارج اور معتزلہ دونوں اس کو کافر کہتے تھے۔

ہارون الرشید کے زمانہ (۱۷۹ھ) میں حمزہ نے بغاوت کی اور مامون الرشید کے عہد میں اس کے فتنہ نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اس نے خارجیوں کے دوسرے فرقوں کو بھی تہ تیغ کیا اور ہرات کے گردونواح میں تباہی مچائی۔ وہاں متعدد عباسی لشکروں سے اس کی مڈھ بھیڑ ہوئی اور انہیں پے در پے شکستیں دیں۔ اسی دوران میں اس نے خراسان، کرمان، سجستان اور کوہستان کے علاقوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ مامون الرشید نے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے فوجی سردار طاہر بن الحسین کو بھیجا۔ متعدد جنگوں میں طرفین کے قریباً تیس ہزار افراد مارے گئے ۔کرمان کے علاقہ میں بہت سخت جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حمزہ کے ہزاروں مددگار کام آئے اور وہ خود بھی زخمی ہو گیا اور بھاگتے ہوئے راستہ میں ہی مر گیا۔ بہرحال ایک لمبے عرصہ تک حمزہ اور اس کا گروہ خلافت عباسیہ کے لئے دردسر بنا رہا۔

۸...... **الشیبانیہ:** یہ فرقہ شیبان بن سلمہ الخارجی کا پیرو تھا۔ دوسرے خارجی فرقے شیبان کو اس لئے کافر کہتے تھے کہ اس نے ابومسلم خراسانی کی مدد کی تھی۔ ابومسلم نے بنو امیہ اور کئی خارجی گروہوں کے ساتھ جنگیں لڑیں اور شیبان اس کے ساتھ ان جنگوں میں برابر شامل رہا۔

۹...... **الاباضیہ:** یہ فرقہ عبداللہ بن اباض کا پیرو تھا۔ اس فرقہ کا نظریہ یہ تھا کہ دوسرے مسلمان جو ان کے مخالف ہیں وہ نہ مومن ہیں نہ مشرک بلکہ کافر ہیں تاہم باوجود کافر ہونے کے ان کی شہادت مقبول ہے اور ان کے خون حرام ہیں نیز ان سے نکاح جائز ہے اور باہمی توارث بھی درست ہے اور ان کے اموال لوٹنا جائز نہیں۔ تاہم ان کے گھوڑے اور ہتھیار اپنے قبضہ میں لئے جاسکتے ہیں۔ ''فقہ اباضیہ'' کو ایک قابل مطالعہ علمی سرمایہ تسلیم کیا گیا ہے۔

اباضیہ کئی ذیلی فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں باہمی تکفیر اور تفرقہ بازی کا کس قدر زور اور شوق تھا اس کی ایک دلچسپ مثال یہ ملتی ہے کہ ایک اباضی خارجی نے جس کا نام ابراہیم تھا کچھ لوگوں کو اپنے گھر دعوت پر بلایا۔ اس دوران اس نے کسی کام کے لئے اپنی لونڈی کو کہیں بھیجا لیکن اس نے واپس آنے میں کچھ دیر کر دی۔ اس وجہ سے ابراہیم غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور قسم کھائی کہ وہ اس لونڈیا کو اعراب یعنی بدوؤں کے پاس بیچ دے گا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے جس کا نام میمون تھا اعتراض کیا کہ ایک مومن لڑکی کو کافروں کے ہاتھ بیچنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ ابراہیم نے اصرار کیا کہ یہ جائز ہے۔ کچھ لوگ ابراہیم کے طرفدار بن گئے اور کچھ نے میمون کی حمایت کی اور بعض غیر جانبدار رہے۔ ابراہیم کے حمایتی ''ابراھیمیہ'' کہلائے اور میمون کے حمایتی ''میمونیہ'' کہلائے۔ (یہ میمونیہ فرقہ اس میمونیہ فرقے سے الگ ہے جس کا ذکر شعیبیہ کے بالمقابل گزر چکا ہے۔ اسی طرح باطنی تحریک کے بانی میمون بن دیصان سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں)۔ اور غیر جانبدار ''واقفیہ'' کے نام سے مشہور ہوئے ۔اس طرح اس معمولی سی بات کی وجہ سے تین فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے۔

اباضیہ کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اگر فرقے کا قائد گناہ کا مرتکب ہو اور لوگ اسے قیادت سے برطرف نہ کریں تو وہ قائد اور اس کے متبع سب کے سب کافر ہو جائیں گے۔

۱۰...... **الشبیبیہ:** یہ بھی اباضی خوارج کا ہی ایک ذیلی فرقہ ہے۔ اس فرقہ کو بھی خاصی شان وشوکت حاصل ہوئی۔ اس فرقہ کا قائد شبیب بن یزید الشیبانی تھا۔ شبیب نے بنو امیہ کی کئی فوجوں کو شکست فاش دی اور حجاج بن یوسف کی بھیجی ہوئی بیس فوجی مہموں کو ناکام بنایا۔ ایک دفعہ شبیب حجاج کے دارالحکومت کوفہ میں آ گھسا اور جامع مسجد کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی ماں غزالہ کو ممبر پر کھڑا کر کے اس سے تقریر کروائی۔ یہ خاتون بڑی فصیح البیان مقررہ تھی۔ اس کے متعلق ہی ایک شاعر نے کچھ شعر کہے جو عربی نظم کی مشہور کتاب الحماسہ میں درج ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے ۔

اقامت غزالة سوق الضراب
لاھل العراقین حولاً قمیطاً

شبیب نے اس رات کی صبح فجر کی نماز پڑھائی پہلی رکعت میں سورہ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران ختم کی۔ حجاج رات بھر اپنے محل میں دبکا بیٹھا رہا اور فوجوں کے جمع ہونے کا انتظام کرتا رہا۔ صبح چار ہزار کی نفری لے کر شبیب کے مقابلہ میں آیا۔ سخت جنگ ہوئی اور شبیب انبار کی طرف نکل بھاگا۔ اس کے تعاقب میں حجاج نے سفیان بن الابرد

کو تین ہزار کا لشکر دے کر بھیجا۔اس نے شبیب کو دُجیل ندی کے کنارے جالیا۔ شبیب اس وقت پل عبور کر رہا تھا سفیان نے پل کی رسیاں کٹوا دیں اس وجہ سے شبیب گھوڑے سمیت ندی میں ڈوب مرا۔ اس کے بعد اس کے لشکر نے جو ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ چکا تھا شبیب کی والدہ غزالہ کو اپنا لیڈر چن لیا اور اس کی بیعت کی۔ دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی لیکن بالآخر شبیب کی والدہ اور اس کی بیوی میدان جنگ میں ہلاک ہو گئیں اور بھی بہت سے لوگ مارے گئے۔سفیان نے شبیب کی نعش کو دریا سے نکلوا کر اس کا سر حجاج کے پاس بھجوا دیا۔حجاج نے شبیب کی فوجوں کے اکثر افراد کو معاف کر دیا۔شبیبیہ فرقہ پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر تو ان کا یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے جنگ جمل میں فوجوں کی قیادت کر کے قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے لیکن خود اس فرقہ نے شبیب کی والدہ کو اپنا لیڈر چنا اور اس کی قیادت میں لڑے۔

غلو پسند خارجی فرقے

۱۱......**الحفصیہ:** اباضی خوارج کا یہ ایک ذیلی فرقہ تھا۔حضرت علیؓ کے بغض میں دیوانگی کی حد تک بڑھا ہوا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا **'ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا و یشھداللہ علی ما فی قلبہ و ھو الدالخصام'** کی آیت علیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور آیت **' ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ' (بقرہ :۲۰۸)** علیؓ کے قاتل ابن ملجم کی شان میں اتری۔اس فرقہ کا یہ نظریہ تھا کہ جسے معرفت الٰہی حاصل نہیں وہ مشرک ہے اور جسے معرفت الٰہی تو حاصل ہو لیکن وہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کو نہیں مانتا وہ کافر ہے۔

۱۲...... **المیمونیہ:** میمون خارجی کے پیرو یہ میمون اس میمون اور اس کے فرقہ سے الگ ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔اور جس کا ابراہیم خارجی کے ساتھ ایک لونڈی کی فروخت کے ضمن میں جھگڑا ہوا تھا اور جس کی وجہ سے اباضیوں کے تین فرقے **ابراھیمیہ، میمونیہ،** اور **واقفیہ** بن گئے تھے۔یہ میمون وہ ہے جس کا جھگڑا شعیب خارجی سے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہوا تھا اور جس کی وجہ سے دو فرقے **شعیبیہ** اور **میمونیہ** بن گئے۔بہر حال اس میمونیہ فرقہ کا نظریہ یہ ہے کہ پوتیوں اور نواسیوں وغیرہ سے نکاح جائز ہے کیونکہ ان سے نکاح کی حرمت کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔اس فرقہ کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے۔نیز یہ فرقہ اس بات کا بھی قائل تھا کہ سورہ یوسف قرآن کریم کا حصہ نہیں کیونکہ یہ ایک عشقیہ داستان ہے جس کا قرآن کریم میں شامل ہونا اس کتاب الٰہی کی شان کے خلاف ہے۔

خوارج اور قبائلی عصبیت

شیعہ اور خارجی فرقوں کے عربی عنصر کا زیادہ تر تعلق بنو ربیعہ سے تھا۔بنو ربیعہ نے اسلام کو نقصان پہنچانے کی ایک کوشش مسیلمہ کذاب کی شورش کی صورت میں کی تھی جس کا خاتمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھوں ہوا اس کے بعد دوسری کوشش حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے خلاف بغاوتوں کی صورت میں ظاہر ہوئی جو تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور ہے اور جس کا مختصر ذکر گزر چکا ہے۔

(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل ۱۴؍نومبر ۱۹۹۷ء تا ۲۰؍نومبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۱۰

معتزلہ اور ان کے فرقے

معتزلہ فرقہ کب اور کیسے وجود میں آیا اور اسلامی تاریخ میں اس کا کیا کردار رہا ہے اس کا مختصر بیان یوں ہے کہ شروع میں یہ ایک خالص علمی گروہ تھا اور سیاسی خلفشار سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ شیعہ اور خوارج کی طرح اقتدار پر قبضہ کرنا اس کے مقاصد میں شامل نہ تھا اور نہ اس کے لئے کبھی کوئی منظم عملی کوشش کی۔دراصل ابتدائی معتزلہ وہ لوگ تھے جو پہلے حضرت علیؓ کے حامی تھے لیکن جب حضرت علیؓ شہید ہو گئے اور اقتدار بنوامیہ کے قبضہ میں چلا گیا تو یہ لوگ سیاسی سرگرمیوں سے الگ ہو گئے۔چونکہ یہ لوگ علمی ذہن رکھتے تھے اور اس زمانہ میں مخالف اسلام مختلف مذاہب کے پیروؤں نے اسلام کے خلاف علمی اعتراضات پھیلانے کی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا اس لئے یہ لوگ زاویہ نشین ہو کر علمی پہلوؤں کے فروغ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کے علمی جواب میں مصروف ہو گئے۔اسطرح طرح طرح کی خیال آرائیاں ان کی جولانگاہ بن گئیں۔اسی زاویہ گزینی اور سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے ان کا نام ''معتزلہ'' مشہور ہو گیا یعنی یہ وہ گوشہ نشین لوگ ہیں جن کا دنیاوی سرگرمیوں سے کوئی سروکار نہ تھا،صرف علم کا فروغ اور مسائل کلامیہ سے دلچسپی ان کی سرگرمیوں کے مرکز بن گئے تھے۔ان لوگوں کے نام کی شہرت زیادہ تر اس وقت ہوئی جب کہ واصل بن عطاء معتزلی حسن بصری کے درس سے الگ ہوا اور اپنا حلقہ درس قائم کیا۔ زیادہ تر معتزلہ قدریہ تھے یعنی اس بات کے قائل تھے کہ انسان اپنے اعمال میں خود مختار اور آزاد ہے۔ وہ جس طرح چاہے کوئی سا طرز عمل اختیار کرے اسے اختیار ہے۔تاہم 'جبریہ' اور 'مُرجئہ' اپنے مرکزی طرز فکر کی وجہ سے معتزلہ کا ہی حصہ شمار ہوتے ہیں۔جبریہ وہ لوگ

ہیں جن کے نزدیک انسان اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے اور وہ خدا کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جس طرف چاہے اسے لے جائے۔

مرجئہ مسلمانوں کا وہ فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اعمال انسانی ایمان کا جزو نہیں۔ ایمان صرف یقین اور اقرار باللسان کا نام ہے۔ دوسرے اعمال زائد از ایمان امور ہیں اور نجات سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔

معتزلہ کے نظریے

تمام کے تمام معتزلہ مندرجہ ذیل مسائل میں ایک سا نظریہ رکھتے ہیں:۔

☆......اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں ان کا کوئی الگ وجود نہیں۔ جبکہ دوسری اشیاء کی صفات ان کی ذات سے الگ اپنا علیحدہ وجود رکھتی ہیں اور زائد از ذات ہیں نیز اس **عینیّت** کی وضاحت کے لئے یہ کہنا درست ہے کہ لیس للہ حیاۃ ولا علم ولا قدرۃ ولا سمع ولا بصر ولا کلام ولا ارادۃ۔

☆......رویت باری محال ہے یعنی مادی آنکھوں سے ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ نہ اس دنیا میں اور نہ اگلے جہان میں۔ زعم المعتزلۃ ان اللہ لا یریٰ نفسہ ولا یراہ غیرہ۔

☆......معتزلہ کے نزدیک کلام الٰہی مخلوق اور حادث ہے۔ اسی نظریہ کے تحت یہ قرآن کریم کو بھی حادث اور مخلوق مانتے ہیں۔ بعض خلق اور حدیث میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلام اللہ اور قرآن کو ہم حادث تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے مخلوق کہنا درست نہیں۔

☆......معتزلہ قدریہ کے نزدیک انسان اپنے افعال کا خالق اور ان کے بجالانے میں پوری طرح خود مختار اور آزاد ہے اور یہ اختیار ہی ثواب وعقاب کی بنیاد ہے۔

☆......وہ مسلمان جو گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ نہ مومن ہیں اور نہ کافر، ان کا مقام بین بین ہے۔ نیز مرتکب گناہ کبیرہ دائمی جہنمی ہے بشرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔

☆ بعض معتزلہ کے نزدیک خدا تعالیٰ کا جسم ہے لیکن وہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ انہ جسم لا کالاجسام و انہ شی لا کالاشیاء معتزلہ اگرچہ اپنے زمانہ کے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے اسلام کی تائید میں علمی دلائل مہیا کرنے کی قابل قدر کوشش کی اور اسلام کے عقلی دفاع میں اپنے زمانہ کے لحاظ سے کارہائے نمایاں سرانجام دئے۔ لیکن اپنے بعض مخصوص نظریات کی وجہ سے یہ فرقہ بھی امت مسلمہ میں فکری انتشار اور ذہنی خلفشار کا باعث بنا رہا۔ معتزلہ خود باہمی نظریاتی اختلافات کی وجہ سے کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔

معتزلہ کے بڑے بڑے فرقے

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے بنیاد کے لحاظ سے ان کے تین بڑے فرقے تھے۔ معتزلہ قدریہ، معتزلہ جبریہ اور معتزلہ مرجئہ۔ چونکہ اکثریت قدریہ کی ہے اس لئے بالعموم قدریہ کو ہی معتزلہ سمجھا جاتا ہے۔ معتزلہ قدریہ کے مندرجہ ذیل ضمنی فرقے تھے: **الواصلیہ، العمرویہ، الھذلیہ، النظامیہ، المرداریہ، المعمریہ، الثمامیہ، الجاحظیہ، الخابطیہ، الحماریہ، الخیاطیہ، الشخلمیۃ، الصالحیہ، المریسیہ، الکعبیہ، الجبائیہ، البھشمیہ۔** ان میں سے بعض اہم فرقوں کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔

معتزلہ قدریہ کے ضمنی فرقوں کی تفصیل

۱۔ الواصلیہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ واصل بن عطاء معتزلی کا پیرو ہے۔ کہا جاتا ہے کہ واصل پہلا شخص ہے جسے معتزلی کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ پہلے واصل، حسن بصریؒ کا شاگرد تھا اور ان کے حلقہ درس کا طالب علم تھا لیکن اس نے بعض ایسے خیالات کا اظہار شروع کر دیا جن سے حضرت حسن بصریؒ متفق نہ تھے۔ آخر اس اختلاف نے شدت اختیار کر لی اور حضرت حسن بصریؒ نے اسے اپنے حلقہ درس میں بیٹھنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ اس نے ضد میں آ کر اسی مسجد کے ایک کونہ میں اپنا الگ حلقہ درس بنالیا۔ اس پر حسن بصریؒ نے فرمایا ''اعتزل عنا'' یعنی اس نے ہم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ یہاں سے اس کا نام معتزلی یعنی الگ ہونے والا مشہور ہوگیا۔

واصل کو معبد جھنی اور غیلان دمشقی کے بعد معتزلہ کا تیسرا بڑا قائد تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے مخصوص نظریات یہ تھے:

امت اسلامیہ کا جو شخص گناہ اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے وہ نہ مومن ہے اور نہ کافر بلکہ وہ فاسق ہے۔ اگر اس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کر لی تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جبکہ خوارج میں سے بعض کے نزدیک ایسا شخص مشرک ہے اور بعض اسے کافر قرار دیتے ہیں اور دائمی جہنمی مانتے ہیں۔ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ایسا شخص مومن اور مسلمان تو ہے لیکن گنہگار اور فاسق ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے نیز ایسا شخص اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر دوزخ سے نکل آئے گا اور جنت میں جائے

گا۔

واصل کا یہ نظریہ بھی تھا کہ حضرت علیؓ اوران کے حامی بمقابلہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ و حضرت عائشہؓ اوران کے ساتھی ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ لا علی التعیین فاسق ہے۔ أی اَحدُالفریقَینِ فاسقٌ بلا تعیین ۔اس لئے اگر دونوں گروہوں میں سے ایک ایک آدمی مل کر کسی واقعہ کے بارہ میں شہادت دیں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ ان کی شہادت رد کردے کیونکہ ان میں ایک لازماً فاسق ہے۔ اور فاسق کی شہادت قابل رد ہے اور اگر ایک ہی گروہ کے دو آدمی مل کر گواہی دیں تو ان کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ یہ یقین نہیں کہ یہی لازماً فاسق ہیں۔(الفرق صفحہ ۸۳)

۲...... الھُذَیلِیّہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ابوالہذیل محمد بن الہذیل کا پیرو تھا۔ یہ قبیلہ عبدالقیس کا مولیٰ تھا اور جیسا کہ بتایا جا چکا ہے زیادہ تر موالی یعنی فارسی نومسلموں نے ہی مسلمانوں میں مختلف قسم کی بدعتوں کو رواج دیا ہے۔**فکذالک ابو الھذیل جری علی منھاج ابناء السبایا لظھور اکثر البدع منھم۔** (الفرق صفحہ ۸۴)

ابوالھزیل معتزلی کے مخصوص نظریات یہ تھے:

اللہ تعالیٰ کے سارے مقدورات یعنی ساری کائنات بشمول جنت ودوزخ فنا ہو جائیں گے اور خدا ان کے اعادہ پر قادر نہ ہوگا۔ یہ ایک سکون کا دور ہوگا جس میں سب کچھ حالت سکون میں ہوگا۔ فلا یقدر اللہ فی تلک الحال علی احیاء میت ولا إماتة حیّ ولا علی تحریک ساکن ولا علی تسکین متحرک ولا علی احداثِ شیءٍ ۔ (الفرق صفحہ ۸۵)

اگلے جہان میں جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے افعال پر مجبور محض ہونگے یعنی جنتی کھانے پینے اور عیش اڑانے پر مجبور ہونگے اور دوزخی چیخنے چلانے اور واویلا کرنے پر مجبور ہونگے۔ وہاں ان کی مرضی نہیں چلے گی بلکہ یہ سب کچھ ان سے خدا تعالیٰ کرائے گا جبکہ جہمیہ فرقہ اسی دنیا میں اس قسم کے جبر کا قائل ہے اس کے نزدیک انسان بلکہ ہر چیز مجبور محض اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔اسی نظریہ کی وجہ سے اس فرقہ کو جبریہ بھی کہا جاتا ہے۔

تقرّب الٰہی کی نیت نہ بھی ہو تب بھی اچھے کام کرنے والوں کو ثواب ملے گا اور ایسا کرنے والے کو مطیع اور فرمانبردار کہا جا سکتا ہے۔جبکہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک خدا تعالیٰ کی پہچان اور اس پر ایمان لانے کے سلسلہ میں غور وفکر کرنے کی حد تک تو یہ نظریہ درست ہے۔اس قسم کے غور وفکر کا انسان کو ثواب ملے گا خواہ اس کی نیت تقرب اور عبادت کی نہ ہو لیکن جب یہ معرفت حاصل ہوگئی تو پھر اس کے بعد صرف اسی کو ثواب ملے گا جس نے کوئی اچھا کام تقرب اور اطاعت الٰہی کی نیت وارادہ سے کیا ہو۔ (الفرق صفحہ ۸۸)

اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات ہیں اس کی ذات سے الگ ان کا کوئی وجود اور تصور نہیں اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ اور علم ایک ہی چیز ہے۔اس نظریہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ درست ہے تو پھر یہ کہنا بھی درست ہونا چاہئے کہ علم عالم ہے ۔قدرت قادر ہے حالانکہ علم کو عالم کہنا اور قدرت کو قادر کہنا بے معنی اور لغو بات ہے۔یقینی خبر وہ ہے جسے کم از کم بیس آدمی بیان کریں اور ان میں سے کم از کم ایک صادق الایمان اور جنتی ہو۔اگر سارے کے سارے غیر مومن ہوں خواہ لاکھوں ہوں تو ان کی دی ہوئی خبر یقینی اور واجب القبول نہ ہوگی۔اسی طرح ابوالھذیل کے نزدیک کسی ''خبر احاد'' سے تب کوئی حکم شرعی ثابت ہوگا جبکہ اس کے راوی کم از کم چار ہوں۔جز لا یتجزی (مزید تقسیم نہ ہو سکنے والی چیز) کو دیکھا نہیں جا سکتا۔نہ اسے انسان دیکھ سکتا ہے اور نہ خدا ۔کیونکہ دیکھنے کے لئے کسی چیز کا رنگدار ہونا ضروری ہے اور جز لا یتجزیٰ کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ (الفرق صفحہ ۹۲)

۳...... النظامیہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ابواسحاق بن سیار النظام معتزلی کا پیرو تھا۔نظام ابوالہذیل کا بھانجا اور عجمی النسل تھا۔ اس نے بھی کئی نئے نظریات اختراع کئے جن میں سے چند یہ ہیں۔

جو باتیں انسان کی بہبود اور اس کی مصلحت سے تعلق رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عادل ہے اور انسانی بہبود کو نظر انداز کر دینا عدل کے خلاف ہے۔ پس نظام کے نزدیک نعیم الجنت میں سے ایک ذرہ بھی کم نہیں ہو سکتا اور جہنمیوں کے عذاب میں سے ایک ذرہ کا اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی مومن کو دوزخ میں نہیں ڈال سکتا۔مثلاً ایک بچہ دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہے وہ خود دوزخ میں کود سکتا ہے فرشتے اسے دوزخ میں دھکا دے سکتے ہیں لیکن خدا ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس کی صفت عدل کے خلاف ہے۔اس طرح وہ نہ بینا کو اندھا کر سکتا ہے اور نہ تندرست کو لولا۔ لانہ لیس ھو قادر علی الظلم والکذب ۔اس کے برخلاف بصری معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے **فیجب ان یکون قادراً علی الظلم والکذب کما ھو قادر علی العدل والصدق......** اہل سنت والجماعت کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ انہ قادر علی الظلم والکذب ولکنہ لا یفعل ایاھما لقبحھما ۔اسی نظریہ کے تحت برصغیر پاک وہند کے دیوبندی علماء امکان کذب

باری کے قائل ہیں یعنی چونکہ خدا قادر مطلق ہے اس لئے وہ جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے۔ اسی طرح امکان نظیر محمد ﷺ کا مسئلہ بھی ان کے ہاں موضوع بحث رہتا ہے۔

مانویہ کا نظریہ بھی نظام کے نظریے سے ملتا جلتا ہے کیونکہ وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ نور خیر کے سوا کچھ نہیں کر سکتا اور ظلمت صرف مصدر شر ہے ۔ أی ان النور لا یفعل الا خیراً ولا یقدر علی الشّر و ان الظلمة لا تستطیع فعل الخیر لانهالا تقدر الا علی الشّر۔

نظام کا یہ نظریہ بھی تھا کہ ایک جنس بیک وقت دو متضاد کام نہیں کر سکتی مثلاً یہ ممکن نہیں کہ آگ گرم بھی کرے اور ٹھنڈا بھی یا برف ٹھنڈا بھی کرے اور گرم بھی۔ اسی نظریہ کے مطابق نظام کے نزدیک خدا معاً مصدر خیر و شر نہیں ہو سکتا جبکہ اہل سنت القدر خیره و شره کو جزو ایمان مانتے ہیں۔

نظام "طفرہ" کے نظریہ کا بھی قائل تھا یعنی اس کے نزدیک ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک جسم آناً فاناً ایک جگہ سے بیسویں جگہ تک درمیانی حصوں کو عبور کئے بغیر پہنچ جائے اور بغیر اس کے کہ وہ پہلے مکان سے مفقود ہو دوسرے مکان میں جا موجود ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ اسی طفرہ کے نظریہ کے مطابق بعض صوفیاء یہ جائز سمجھتے ہیں کہ ایک شخص دو مکانوں میں خواہ وہ کتنے ہی فاصلے پر ہوں بیک وقت موجود نظر آ سکتا ہے۔

نظام کا یہ نظریہ بھی تھا کہ ساری کائنات جن و انس چرند و پرند بیک وقت پیدا ہوئے۔ پیدائش کے لحاظ سے ان میں کوئی تقدم و تاخر نہیں۔ **البتہ ظهور فی المکان اورشهود فی الزمان** کے لحاظ سے ان میں تقدم و تاخر ہے۔ **قال اهل السنة ان الله تعالیٰ خلق اللوح والقلم قبل خلق السمٰوات والارض و انما اختلفت المسلمون فی ا لسماء والارض ایتهما خلقت اوّلاً۔**

نظام یہ بھی کہا کرتا تھا کہ کلمات قرآن کریم کی ترتیب و تالیف یعنی نظم قرآن میں کوئی اعجاز نہیں اور نہ آنحضرت ﷺ کا یہ کوئی معجزہ ہے۔ اسی طرح نظام دوسرے معجزات کا بھی منکر تھا۔

نظام اس بات کا بھی قائل تھا کہ اجماع امت حجت شرعیہ نہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہ بالکل ممکن ہے کہ سب کے سب غلطی کھا گئے ہوں۔ نظام کا یہ نظریہ بھی تھا کہ انسان کے ساتھ بچھو، سانپ، مکھیاں، کیڑے مکوڑے غرض ہر قسم کے چرند پرند جنت میں جائیں گے وہاں ان سب کا درجہ فضل و احترام کے لحاظ سے برابر ہوگا۔ مندرجہ ذیل فقہی مسائل میں بھی نظام کو دوسرے فقہاء امت سے اختلاف تھا۔ سرقہ کا نصاب دو سو درہم ہے جبکہ دوسرے یہ بات نہیں مانتے۔ طلاق کنایہ لغو ہے امام ابن تیمیہؒ کی بھی یہی رائے ہے جبکہ دوسرے ایسی طلاق کو مؤثر مانتے ہیں۔ عمداً نماز چھوڑنے والا قضاء کی رعایت کا مستحق نہیں۔ اس کا علاج صرف ندامت اور توبہ ہے۔ نظام صحابہؓ کو برا بھلا کہنے سے بھی نہ ہچکچاتا تھا مثلاً اس کا کہنا تھا کہ **(والعیاذ بالله) ان ابا هریرة کان اکذب الناس و ان عمر شک یوم الحدیبیه و انه ضرب فاطمة و منع میراث العترة و ابتدع صلوٰة التراویح۔**

۴۔ المعمریه اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ معمر بن عباد معتزلی کا پیرو تھا اس کے بارہ میں صاحب **طبقات المعتزله** لکھتا ہے: **کان معمر عالماً عدلاً و ان الرشید وجّه به الیٰ ملک السند لیناظره۔ (طبقات المعتزله)** معمر کا نظریہ تھا کہ اعراض کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا بلکہ ان کا ظہور طبعی ہے یعنی یہ اجسام کی طبیعت کے تقاضا ہیں۔ گویا موت و حیات اور دوسرے اعراض جسم کے طبعی تقاضے اور کوائف ہیں اس لئے خدا نہ محی ہے اور نہ ممیت۔ نیز معمر کے خیال میں اعراض لامتناہی ہیں۔

معمر کے نزدیک انسان صرف روح کا نام ہے جسم انسانی روح سے زائد چیز ہے۔ جزا سزا بھی روح کو ملے گی۔ **ای هو فی الجنة منعم و فی النار معذب**۔ اس کا نظریہ تھا کہ روح کے بارہ میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ **انه طویل عریض عمیق ذو وزن ساکن متحرک و غیرها من الکوائف الجسمیه۔**

فلاسفہ خدا کی بھی یہی تعریف کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں: **ان الله تعالیٰ حی قادر عالم حکیم منزه عن ان یکون متحرکا ۔**

۵۔ الثمامیه اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ثمامہ بن اشرس النمیری کا پیرو تھا ۔ ثمامہ بنو نمیر کے موالی میں سے تھا۔ مامون الرشید، معتصم اور واثق کے عہد میں حکومت کا خاص مقرب اور درباری تھا۔ اور معتزلہ کا مانا ہوا بڑا بااثر لیڈر تھا۔ اسی نے مامون الرشید کو اکسایا کہ جو لوگ خلق قرآن کے عقیدہ کو نہیں مانتے ان پر سختی کی جائے۔ ثمامہ کے مندرجہ ذیل خصوصی نظریات تھے۔

جو لوگ جاہل دیوانے اور مجذوب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اہل نہیں وہ دوسرے حیوانات کی طرح غیر مکلّف ہیں اس لئے ایسے جہلاء کا دوسرے حیوانوں کی طرح حشر بھی نہیں ہوگا بلکہ وہ فنا ہو کر نابود ہو جائیں گے۔ **أی یصیرون کلهم فی الآخرة تراباً**۔ یہی حال نابالغی کی حالت میں مرنے والے بچوں کا ہوگا۔ کیونکہ آخرت تو عمل کرنے والوں کے لئے جزا سزا کا گھر ہے اور جن کا کوئی عمل نہیں ان کا حشر لغو اور بے معنی ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ثمامہ، احمد بن داؤد اور محمد بن عبد الملک الزیّات تینوں عہد عباسی کے سربر آوردہ معتزلہ تھے ۔ انہوں نے عباسی خلیفہ واثق کو اکسایا کہ وہ احمد بن نصر خزاعی کو قتل

کردے کیونکہ وہ خلق قرآن کا نظریہ رکھنے والوں کو کافر کہتا ہے اور رویئت باری کے نظریہ کا بھی قائل ہے۔ واثق نے ان کی ترغیب پر احمد کو قتل کروادیا۔ بعد میں وہ بہت پچھتایا کہ اس سے یہ ظلم ہو گیا ہے کہ اس نے ایک ایسے بزرگ اور نیک انسان کو بلاوجہ مروادیا ہے۔ اس وجہ سے وہ ان تینوں معتزلہ پر بھی ناراض ہوا۔ لیکن انہوں نے اس کے سامنے قسمیں کھائیں اور اسے یقین دلایا کہ یہ قتل بالکل جائز تھا اور اگر وہ ایسی رائے دینے میں غلط کار ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ فلاں فلاں طریق پر ہلاک کردے گا۔ ہر ایک نے جو طریق اپنی موت کے لئے تجویز کیا وہ اسی طرح پر ہلاک ہوا۔ ثمامہ نے دعا کی تھی کہ اگر وہ اس گناہ میں ملوث ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایسے لوگوں کو مسلط کردے جو تلوار سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ایک بار مکہ گیا وہاں بنوخزاعہ کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے ہمارے بزرگ احمد کو قتل کروایا تھا۔ انہوں نے ثمامہ کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی نعش حرم سے باہر پھینک دی۔ جہاں کتے اور گدھ اسے کھا گئے۔ دوسرے دو کا بھی برا حشر ہوا۔ **فذاقت وبال امرھا و کان عاقبة امرھا خسراً۔**

۶۔ الجاحظیه اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ عمرو بن بحر الجاحظ کا پیرو تھا۔ جاحظ بڑا فصیح البیان مقرر، ماہر ادیب اور قابل مصنف مانا جاتا ہے۔ یہ عربی النسل اور بنوکنانہ میں سے تھا۔ لیکن علامہ بغدادی کو اس سے اتفاق نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر جاحظ کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو پھر اس نے ایسی کتابیں کیوں لکھیں جن میں بنوقحطان کی تعریف کی گئی ہے اور بنوکنانہ اور بنوعدنان کی ہجو اور مذمت۔ اسی طرح اس نے ایک ایسی کتاب بھی لکھی جس میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ عجمی عربوں سے افضل ہیں۔ مثلاً اس کی ایک کتاب کا نام ہے **مفاخر القحطانیه علی الکنانیه وسائر العدنانیه** اور اس کی دوسری کتاب کا نام ہے **فضل الموالی علی العرب**۔ پس کیا کوئی شخص اپنے آباؤ اجداد کی مذمت کرسکتا ہے۔

جاحظ کی بعض دوسری کتابیں بھی اسی قسم کی لغویات سے پر ہیں۔ مثلاً **حیل اللصوص خیُل المَکِید ین، غش ُ الصّاعات، القِحاب والکِکلاب وغیرھا من الکُتب۔**

جاحظ کا خاص نظریہ یہ تھا کہ انسان کے جملہ افعال اس کے طبعی تقاضے ہیں۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر انسان کو سزا کیونکر مل سکتی ہے۔ کیا کسی انسان کو اس بناء پر سزا دی جاسکتی ہے کہ وہ کالا کیوں ہے، وہ لمبا کیوں ہے، وہ موٹا کیوں ہے۔ لانّ الانسان لا یثاب و لا یعاتب علی ما لا یکون کسباً له۔ (الفرق صفحہ ۱۳۰)

۷۔ الکعبیه اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ **ابوالقاسم عبداللہ الکعبی البلخی** کا پیرو تھا۔ کعبی کا یہ نظریہ تھا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کام کا ارادہ کیا تو یہ ایسے ہی ہے جیسا قرآن کریم میں آیا ہے۔ **جداراً یرید ان یَنقضَّ** یعنی اس قسم کے استعمالات مجاز اور استعارات ہیں۔ نظام معتزلی کا بھی یہی نظریہ تھا جبکہ باقی سب معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک حقیقت مؤثرہ ہے تاہم وہ حادث ہے۔ اہل السنّت کے نزدیک ارادۃ اللّٰہ ایک حقیقت بھی ہے اور ازلی ابدی بھی۔ (الفرق صفحہ ۱۳۴)

۸۔ الجبائیه اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ابوعلی الجبائی کا پیرو تھا۔ ابوعلی کا خاص نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''مطیع'' بھی ہے یعنی وہ اپنے بندوں کی اطاعت کرتا ہے ان کے کام کرتا ہے اور ان کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ اور مطیع کے یہی معنے ہیں کہ **مَن فَعَلَ مُرادَ غیرِہ**۔ اسی طرح وہ یہ بھی مانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت **محبل** ہے یعنی وہ عورتوں کو حاملہ کرتا ہے۔ علامہ بغدادی اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو عیسائیوں کے عقائد سے بھی بدتر ہے۔ وہ خدا کو مسیح کا باپ تو کہتے ہیں لیکن اسے **محبل** مریم نہیں سمجھتے۔ الغرض جبائی اسماء الٰہی کے توقیفی ہونے کا قائل نہ تھا بلکہ وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے نام گھڑنے اور رکھنے کو جائز سمجھتا تھا۔

۹۔ البهشمیه اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ابوہاشم الجبائی کا پیرو تھا جو ابوعلی الجبائی کا بیٹا تھا۔ علامہ بغدادی لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے اکثر معتزلہ بہشمی ہیں کیونکہ آل بویہ کا وزیر البهشمیه الملقب بالصّاحب ابوہاشم الجبائی کا عقیدت مند ہے اور بہشمی عقائد سے دلچسپی رکھتا ہے اس لئے بمطابق **النّاسُ علیٰ دینِ ملُوکِھم**، دوسرے سربرآوردہ لوگ بھی اپنے آپ کو بہشمی کہلانے میں فخر سمجھتے ہیں۔ ابوہاشم کا عقیدہ تھا کہ جرم کے عملی ارتکاب کے بغیر بھی انسان مستوجب سزا ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز پڑھنے پر قادر تھا، سارے وسائل مہیا تھے اور وہ نماز ادا کرنے کا ارادہ کررہا تھا کہ اجل نے اسے آلیا تو یہ شخص ترک نماز کی سزا پائے گا۔ کیونکہ قدرت کے باوجود اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی **أی لَم یَفعَل ما اُمرَ به مَعَ قُدرته علیه**...... ابوہاشم کا ایک نظریہ یہ تھا کہ اسباب وشروط بجائے خود عبادت نہیں۔ مثلاً نماز کے لئے طہارت اور وضو شرط ہے لیکن یہ بجائے خود عبادت نہیں کیونکہ اگر کوئی دوسرا کسی کو نہلا دے یا وضو کرادے تو طہارت حاصل ہو جائے گی۔ اگر یہ عبادت ہوتی تو پھر ایسا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ عبادت میں نیابت درست نہیں۔ کام کوئی کرے اور سبکدوش دوسرا ہو جائے۔

نماز کوئی پڑھے اور ثواب دوسرے کو مل جائے اور اس کا فرض ادا ہو جائے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

ابو ہاشم کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا بیک وقت اور بِتَمامِہٖ تو فَنَاء کر سکتا ہے لیکن جزواً ایسا نہیں کر سکتا۔ مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ زمین و آسمان تو موجود رہیں لیکن ان میں سے کوئی ذرہ فنا ہو جائے أی اَنہ تعالیٰ لا یقدر علی ان یفنی من العالم ذرۃ مع بقاء السمٰوات والا رض و انہ یقدر علی اِفناء العالم جملۃً۔

معتزلہ کے اور بھی کئی ضمنی فرقے ہیں لیکن غیر اہم ہیں۔ کوئی خاص امتیازی خصوصیت نظر نہیں آتی جو قابل بیان ہو۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۱ رنومبر ۱۹۹۷ء تا ۲۷ رنومبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۱۱

اَلجَبرِیّہ اور اس کے نظریات

جبریہ بھی اپنے طرز استدلال اور نہج فکر کے لحاظ سے معتزلہ میں ہی شمار ہوتے ہیں لیکن معتزلہ کا یہ حصہ قَدَر کی بجائے جبر کا قائل ہے یعنی اس فرقہ کا نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال اور اعمال میں خود مختار نہیں بلکہ وہ مجبور محض ہے۔ خدا جس طرح چاہتا ہے اس سے کرواتا ہے۔ فالانسانُ عندھم لیس بِقادرٍ علی افعالہ بَل فی اختیاراللہ یُقلّبہ کیف یشاء۔

جبریہ کے مندرجہ ذیل ضمنی فرقے ہیں:

الجَھمیَہ، النّجارِیّہ، البَکریّہ، الضّراریّہ

الجَھمیّہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ جھم بن صفوان کا پیرو تھا۔ جہم مشہور آزاد مفکر جعد بن درہم کا شاگرد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جہم بڑا فتنہ پرداز ذہنی انتشار پھیلانے میں ماہر اور شاطر قسم کا عالم تھا۔ یہ پہلا معتزلی ہے جس نے خلق قرآن کا عقیدہ ایجاد کیا۔ جہم جبر کا بھی قائل تھا یعنی اس کا نظریہ تھا کہ انسان مجبور محض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے۔ یقلّبُہ کیفَ یشآئُ۔ جہم کے نزدیک جنت و دوزخ فانی ہیں وہ کہا کرتا تھا، اِنَّ الجنَّۃَ وَ النّارَ تَبیدانِ و تَفنیانِ۔

وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے اس بارہ میں اس کا یہ نظریہ بھی تھا کہ جس وصف سے دوسرے متصف ہو سکتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا وصف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اَللّٰہُ حیٌّ علیمٌ عالمٌ سمیعٌ بصیرٌ موجودٌ مریدٌ۔ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ قادرٌ موجِدٌ خالقٌ محیٍ و مُمِیتٌ کیونکہ یہ اوصاف اللہ کے سوا کسی دوسرے میں نہیں پائے جاتے۔ جہم سیاست میں بھی سرگرم حصہ لیتا رہا۔ بنوامیہ کے خلاف کئی جنگوں میں شامل ہوا اور آخر انہی جنگوں میں مارا گیا۔ جہم نے صغار تابعین کو دیکھا تھا اس لئے اس کا شمار تبع تابعین میں کیا گیا ہے۔ علامہ بغدادی نے لکھا ہے کہ آج کل جہم کے پیرو نہاوند میں پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر اسماعیل بن ابراہیم الدیلی کی تبلیغ سے اہل السنّت میں شامل ہو گئے ہیں۔ (الفرق صفحہ ۵۹)

اَلنّجاریّہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ حسین بن محمد النجار کا پیرو تھا۔ نجار بہت بڑا قابل مناظر تھا۔ اس نے نظام معتزلی کے ساتھ کئی کامیاب مناظرے کئے۔ بعض مسائل میں یہ اہل السنّت کے ساتھ متفق تھا اور بعض میں معتزلہ جبریہ کے ساتھ مثلاً اس کا عقیدہ تھا کہ افعال ُالعباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اکتساب بجائے خود ایک فعل ہے۔ کائنات میں وہی کچھ ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرے اور جو چاہے۔ وہ یہ بھی مانتا تھا کہ گنہگار کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ یہی بات اہل السنّت بھی مانتے ہیں۔ معتزلہ کے نظریات میں مندرجہ ذیل نظریات کو نجار درست مانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کوئی الگ چیز نہیں بلکہ عین ذات ہیں۔ ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی رویئت ممکن نہیں۔ کلام اللہ ایک حادث وصف ہے۔

مندرجہ بالا باتوں میں نجار کا الگ خاص مسلک تھا۔ الایمان یزید ولکن لا ینقص۔ جبکہ محدثین کہتے ہیں، اَلاِیمانُ یزیدُ وَ یَنقُصُ۔ نجار کے نزدیک اعراض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو جسم کا حصہ اور اُس کی جز ہیں۔ مثلاً رنگ، بو، اور مزہ (اللّونُ، الرَّائحۃُ والطَّعمُ) یہ اللہ تعالیٰ کے مقدور نہیں بلکہ طبعی ہیں۔

دوسری قسم کے اعراض وہ ہیں جو کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ مثلاً علم، جہالت، حرکت، سکون، قیام، قعود۔ اس قسم کے اعراض جسم کا حصہ اور اس کی جز نہیں اس لئے وہ مقدور ہیں۔ نجاریہ کے کئی ضمنی فرقے تھے مثلاً بَرغوثیّہ، زَعفَرانیّہ وغیرہ۔

البَرغُوثیّہ کے نزدیک طبعی افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے اختیار سے ہیں۔ اہل السنّت کا بھی یہی عقیدہ ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ طبعی افعال کا تعلق صرف جسم کی طبیعت سے ہے مثلاً اگر کوئی چیز اوپر سے نیچے کی طرف گرتی ہے تو معتزلہ کے نزدیک یہ جسم کا طبعی تقاضا ہے لیکن برغوثیہ اور اہل السنّت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

اسے نیچے کی طرف گرایا ہے۔اس طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو مارتا ہے اور اسے درد ہوتا ہے یا اس کا کوئی عضو کٹ جاتا ہے تو دراصل مار، درد اور کٹنا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا، درد پیدا کی یا عضو کاٹ دیا۔

اَلبِکریّہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ بکر بن اُخت عبدالواحد بن زیاد کا پیرو تھا۔ بکر کے بارہ میں محدث ابن حبّانؒ کا قول ہے کہ یہ شخص دجّال اور حدیثیں گھڑنے میں ماہر تھا۔ کان دجّالاً یضعُ الاحادیث۔ (میزان الاعتدال صفحہ ۳۴۵۔ الفرق ص ۱۵۹)

اس کا نظریہ تھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی ایک صورت اختیار کرے گا اور اسی صورت میں وہ بندوں کو نظر آئے گا اور ان سے ہمکلام ہوگا۔

بکر کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب کو مسلم، مومن، منافق، مکذب سب کچھ کہا جاسکتا ہے اور وہ دائمی جہنمی ہے۔اس کے خیال میں پیاز اور لہسن حرام ہے اور پیٹ میں گڑ گڑ یعنی قَرقَرۃُ البطن سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اَفعَالِ مُتَوَلّدَہ یعنی افعال کے بارہ میں یہ اہل السنّت سے متفق تھا اور کہا کرتا تھا اللّٰہ ُ مُختَرِ عُ الالَمِ عِندَ الضَّرب۔

الضّرارِیّہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ضرار بن عمرو کا پیرو تھا۔ ضرار کا نظریہ یہ تھا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک ''چھٹی حس'' بخشے گا جس کی وجہ سے وہ اسے دیکھ سکیں گے۔ضرار ''اَلائِمَّۃُ مِن قُریش'' کی روایت کو درست نہیں مانتا تھا اس لئے وہ امامت اور خلافت کے لئے قریش کی تخصیص کا قائل نہیں تھا۔خوارج کا نظریہ بھی یہی تھا۔

اَلمُرجِئَہ اور اس کے نظریات:

مُرجئہ مسلمانوں کا وہ فرقہ ہے جو اعمال کو جزوِ ایمان نہیں مانتا بلکہ زائد از ایمان تسلیم کرتا ہے۔ یہ لفظ اِرجَاء سے مشتق ہے جس کے معنے پیچھے رکھنے اور دوسرا درجہ دینے کے ہیں۔ چونکہ یہ فرقہ اعمال کو ایمان سے پیچھے رکھتا ہے اور ایمان کے مقابلہ میں اسے دوسرا درجہ دیتا ہے یا یہ تسلیم کرتا ہے کہ اعمال میں کوتاہی کرنے والے کا معاملہ آخرت میں ملے گا۔یعنی اس کوتاہی کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے اس کا فیصلہ وہاں ہوگا۔

اس قسم کے نظریات کی وجہ سے ایسے لوگوں کو مرجئہ کا نام دیا گیا۔

مرجئہ کی تین قسمیں ہیں۔ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ ایمان تصدیق اور اقرار باللسان کا نام ہے۔ رہے اعمال تو ایمان سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔عمل کرے یا نہ کرے ایمان پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔نیز وہ انسان اعمال میں مختار اور آزاد ہے جیسے معتزلہ قدریہ مانتے ہیں۔دوسرے گروہ کا نظریہ ایمان کی تعریف کے بارہ میں وہی ہے جو پہلے گروہ کا ہے لیکن وہ اعمال اور افعال میں انسان کو مختار اور آزاد نہیں مانتا بلکہ مجبور سمجھتا ہے جیسا جبریّہ کا نظریہ ہے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو قدر اور جبر کا قائل نہیں۔نہ وہ قدریہ سے متفق ہے نہ جبریہ سے تاہم یہ اعمال کی وہ اہمیت تسلیم نہیں کرتا جو ایمان کی ہے۔ایمان نہ ہو تو نجات ممکن نہیں،لیکن اگر عمل نہ ہو یا عمل میں کوتاہی ہو تو نجات ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے شخص کو معاف کردے اور اسے جنت میں لے جائے نیز اس گروہ کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں نہ اس میں فرق مراتب ہے۔ اَی اِنّ الایمانَ لا یزیدُ و لا ینقُصُ و لا یتفاضلُ الناس فیہ اسی نظریہ کو اپنانے کی وجہ سے بعض نے امام ابوحنیفہؒ کو مرجئہ کہا ہے جبکہ عام محدثین کا نظریہ یہ ہے کہ اعمال ایمان کا حصہ اور جزو ہیں اور الایمان یزید و ینقص و یتفاضل الناس فیہ۔

اَلکَرامیّہ اور اس کے نظریات:

یہ فرقہ ابوعبداللہ محمد بن کرام سجستانی (المتوفی ۲۵۵ھ) کا پیرو تھا۔اس فرقہ کے کئی ذیلی گروہ ہیں مثلاً حَقَالیّہ، طَرائقیّہ، اِسحاقیّہ۔ یہ سب ضمنی گروہ بعض اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے۔اس لئے یہ اس لحاظ سے ایک ہی فرقہ کی ذیلی شاخیں ہیں اور ان کا بطور الگ الگ ذکر چنداں ضروری نہیں۔

ابن کرام کے بعض نظریات اہل السنّت کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے اسے سجستان سے نکلنا پڑا اور غرجستان جاکر پناہ گزیں ہوگیا۔کئی عجمی قائد اور اہل افشین، شورمین اور اوغاد اس کے معتقد تھے جن کے سہارے یہ اپنے عقائد کے فروغ میں کوشاں رہتا تھا۔مشہور فاتح ہند سلطان محمود غزنوی بھی کرامیہ فرقہ سے عقیدت رکھتا تھا۔

ابن کرام کے مخصوص نظریات مندرجہ ذیل تھے:

۱...... خدا کا جسم ہے مگر لا کَالاجسامِ وَ بِلا کیف ۔ اس کا جو حصہ عرش سے متصل اور ملاقی ہے وہ محدود ہے ای عَرضُہ کَعرضِ العرشِ البتہ باقی اطراف سے خدا لامحدود ہے۔

۲......خدا جوہر ہے جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔اہل السنّت خدا کو جوہر سے بالا سمجھتے ہیں۔

۳.....کرامیہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ خدا محل حوادث ہے یعنی اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ هُوَ الآن کَما کانَ ہے بَل کلّ یومٍ هُوَ فی شَان۔وہ کہتے ہیں کہ ازل میں خدا حوادث اور تغیرات سے خالی تھا لیکن جب اس نے تخلیق کا ارادہ کیا تو اس وقت سے وہ غیر محدود حوادث اور تغیرات کا مورد اور محل بن گیا۔اور آئندہ وہ کبھی تغیرات، حوادث اور اعراض سے خالی نہ ہوگا۔دہریہ اور فلاسفہ کا ہیولیٰ کے بارہ میں بھی یہی نظریہ ہے: اَی انها کانت فی الازل خالیاً عنِ الاعراضِ وَالصُّور ثم حَدَثتِ الاعراضُ والصُّورُ فیها وَهیَ لا تخلُوا منها ابداً هوَ یتحوّلُ ویتنقِلُ و ینزلُ۔

۴.....ابن کرام کا یہ کہنا بھی ہے کہ ''اعراض حادثہ'' کو نہ ہم مخلوق کہہ سکتے ہیں۔اس لئے قرآن جو کلام اللہ ہے نہ مخلوق ہے اور نہ محدث۔

۵.....ابن کرام افلاک اور کواکب کو غیر فانی مانتا تھا ای یقولُ الفلاسفةَ اِنّ الافلاکَ والکواکبَ لها طبیعةٌ خامِسَةٌ لا تقبلُ الفسادَ وَالفناءَ کرامیہ کا یہ نظریہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق اور رازق ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ پیدا کر سکتا ہے اور رزق دے سکتا ہے۔ اَی انّه تعالیٰ لَم یَزل خالقاً رازقاً و معناهما انه قادرٌ علیَ الخلق والرّزقِ و هکذا سائرُ صفاته تعالیٰ قبل ظُهورها۔

۶.....ابن کرام کا یہ نظریہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس جسم کو پیدا کیا اس میں زندگی تھی۔ جمادات کی پیدائش اس کے بعد ہوئی اور یہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔اہل السنّت کا نظریہ یہ ہے کہ سب سے پہلے لوح وقلم پیدا ہوئے۔ابن کرام کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے بچے کو نابالغی میں نہیں مار سکتا جس کے بارہ میں اسے علم ہے کہ یہ بڑا ہو کر نیک اور صالح ہوگا کیونکہ ایسے بچے کو مار دینا اس کے حکیم ہونے کی صفت کے خلاف ہے۔

۷.....ابن کرام کا یہ نظریہ بھی تھا کہ نبوۃ اور رسالت دوسرے ملکات کی طرح ایک ملکہ ہے جس میں یہ ملکہ ہو اسے نبی اور رسول بنانا اللہ تعالیٰ پر واجب اور فرض ہے ۔اس کے نزدیک رسول وہ ہے جس میں یہ ملکہ ہو اور مرسل وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس ملکہ کی وجہ سے رسول بنا کر وہ بھیجے۔ مرسل وفات کے بعد صرف رسول رہ جاتا ہے اور اس کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے اس لئے اُس کی قبر کی زیارت کے لئے جانا اور اسے ثواب سمجھنا بے معنی بات ہے۔

۸.....ابن کرام کی رائے تھی کہ نبی اور رسول ایسی غلطیوں سے مبرا اور معصوم ہوتے ہیں جن کی سزا ''حد'' ہے یا جس کے ارتکاب سے انسان درجہء عدالت اور قبول شہادت سے گر جاتا ہے۔دوسری قسم کی غلطیاں نبی سے سرزد ہو سکتی ہیں۔ اسی قسم کی غلطی (والعیاذ باللہ) آنحضرت ﷺ سے اس وقت ہوئی جبکہ آپ سورہ النجم کی تلاوت کر رہے تھے اور آپ نے ''وَ مَناةَ الثّالثةَ الأُخریٰ'' تلاوت کی تو معاً بعد ہی آپ ''تِلکَ الغرانیقَ العُلیٰ وَ اِنَّ شَفاعتَهن لتُرتَجیٰ'' کے الفاظ بھی کہہ گئے۔ کرامیہ کا یہ نظریہ اہل السنّت کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ اہل السنّت کے نزدیک انبیاء ہر لحاظ سے معصوم ہوتے ہیں۔

۹..... کرامیہ کا یہ نظریہ بھی ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کے خلاف ہے کہ وہ آغاز کائنات اور تخلیق انسان کے بعد ہی نبی بھیج کر اسے کامل اور مکمل دائمی شریعت دے دیتا ہے جبکہ اہل السنّت کے نزدیک ایسا کرنا جائز اور ممکن تھا۔

۱۰..... ابن کرام کے نزدیک بیک وقت دو خلیفے اور امام ہو سکتے ہیں جو اپنے اپنے حلقہ میں واجب الاطاعۃ ہوں جیسے حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ اپنے اپنے حلقہ کے سربراہ تھے۔اگرچہ علیؓ امام برحق بمطابق سنت تھے اور معاویہؓ متغلّب اور غیر علی السنہ۔لیکن اپنے اپنے دائرہ اقتدار میں دونوں واجب الاطاعت تھے گویا ابن کرام کے نزدیک امام عادل ہو یا باغی اور طاغی اس کی اطاعت اور اس کے احکام کو تسلیم کرنا امن اور مصلحت عامہ کی بنا پر ضروری ہے۔

۱۱..... کرامیہ کے نزدیک ازلی اقرار جس کی طرف اَلَستُ بِرَبّکم قالوا بلیٰ میں اشارہ کیا گیا ہے۔دنیا میں اس ازلی اقرار کا کم از کم ایک بار اعادہ ضروری ہے۔کرامیہ کے نزدیک تجہیز وتکفین فرض کفایہ ہے جبکہ نماز جنازہ اور غسل سنت کفایہ۔

(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل ۲۸ رنومبر ۱۹۹۷ء تا ۴ ردسمبر ۱۹۹۷ء)

قسط نمبر ۱۲

اٹھارھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد اصلاح امت کی چند متفرق کوششیں

اٹھارھویں صدی جو مسلمانوں کے دینی زوال، سیاسی، علمی اور اقتصادی تنزل کی صدی ہے اس میں چند دردمند مصلحین نے اسلامی دنیا کے اس عالمگیر زوال پر بند لگانے کی کوشش کی ان میں سے محمد بن عبدالوہاب نجدی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سید احمد بریلوی اور مہدی سوڈانی کی تحریکات کے اثرات خاصے وسیع تھے۔لیکن یہ اثرات کسی عالمگیر حرکی انقلاب کا باعث نہ بن سکے۔

تحریک ولی اللّٰہی

اٹھارھویں صدی میں جبکہ مسلم دنیا ایک عالمگیر زوال کی زد میں تھی برصغیر پاک وہند میں ایک علمی اور اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے بانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تھے۔آپ ۱۷۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ عبدالرحیم تھا جو دلی کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ اور فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیریہ کے مرتبین میں شامل تھے جو نامور مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد اورنگ زیب کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد عظیم مغل سلطنت میں زوال کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد اور دہلی کے نامور اساتذہ سے پڑھے اور کچھ عرصہ اپنے والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔ جب آپ کی عمر تیس سال کے قریب ہوئی تو آپ فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حرمین شریفین کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور حدیث میں خاص مہارت پیدا کی۔ وہاں کے اساتذہ میں سے آپ سب سے زیادہ شیخ ابوطاہر مدنی سے متاثر ہوئے۔دوسال کے بعد آپ واپس آئے اور پھر سے مدرسہ رحیمیہ میں پڑھانا شروع کردیا۔ساتھ ساتھ تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کی مشہور کتابوں میں سے چند کے نام یہ ہیں:''الفوز الکبیر''، جس میں تفسیر القرآن کے اصول وضوابط پر بحث ہے۔ ''مصفی'' اور '' تنویر الحوالک'' کے نام سے مؤطا امام مالک کی دوشرحیں لکھیں ۔ایک عربی میں اور دوسری فارسی زبان میں۔''تفہیمات الٰہیہ'' اس میں تقرب الٰہی اور تصوف کے اسلوب واصول اور منازل سلوک کی وضاحت ہے۔آپ کی سب سے مشہور اور جامع کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' ہے جس میں مقاصد شریعت، فلسفہ عبادت اور اصول دین کی حکیمانہ تشریح وتفصیل ہے۔ یہ بڑے پائے کی علمی کتاب ہے جس سے حضرت شاہ صاحب کے کمالِ علمی اور فہمِ دین کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔آپ نے اپنی اس کتاب میں بیان کردہ دینی حکمتوں کے حوالہ سے اپنی اصلاحی تحریک کی بنیاد رکھی اور مسلم معاشرہ کی دینی اور اخلاقی بیماریوں کے لئے علاج ڈھونڈنے کی کوشش کی اور اس بات پر زور دیا کہ دین کے فروغ کے لئے ایک مثالی معاشرہ کے قیام کی ضرورت ہے۔آپ نے ان مقاصد کے حصول کے لئے درس وتدریس اور تالیف وتصنیف کے ذرائع کو اختیار کیا۔

آپ کا دوسرا بڑا کارنامہ دوسری زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کا آغاز ہے۔نامعلوم مدت سے مسلم معاشرہ اس بات کا قائل چلا آرہا تھا کہ کسی دوسری زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنا جائز نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام معاشرہ قرآن کریم سے دور چلا گیا اور قرآنی علوم سے واقفیت صرف گنتی کے چند علماء تک محدود ہوکر رہ گئی اور اس کا تعلق بھی زیادہ تر فقہی مسائل سے تھا۔قرآن کریم کے باقی معارف سربستہ راز تھے اور عوام صرف تلاوت کی حد تک قرآنی برکات سے واقف تھے۔جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآن کریم کے فارسی ترجمہ کا آغاز کیا تو علماء زمانہ کی طرف سے آپ کی سخت مخالفت ہوئی۔عوام کو اشتعال دلایا گیا اور آپ کے مدرسہ پر پتھراؤ کرایا گیا۔لیکن جس راہ کو آپ حق سمجھتے تھے اس پر گامزن رہے اور پھر آہستہ آہستہ علماء اور عوام کی مخالفت کم ہوتی چلی گئی۔آپ کے لائق بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو زبان میں قرآن کریم کے تراجم کئے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کو تو اس زمانہ کے اردو ادب کا ایک شاہکار قرار دیا گیا ہے۔

آپ کا تیسرا بڑا کارنامہ ہندی مسلمانوں کو احادیث رسولؐ کی طرف متوجہ کرنا تھا۔اس سے پہلے علماء اور عوام زیادہ تر فقہی مسائل میں منہمک رہتے تھے اور اس سے آگے قرآن وحدیث کی طرف ان کی نظر نہ جاتی تھی۔برصغیر میں علومِ حدیث کے فروغ کا سہرا حضرت شاہ ولی اللہ کے سر بندھتا ہے اور تاریخ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو اللہ تعالیٰ نے علمی فضیلت کے علاوہ نیک اور قابل اولاد سے بھی نوازا تھا۔آپ کے بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین اپنے زمانہ کے چوٹی کے عالم اور دینی رہنما تھے۔سارے برصغیر میں ان کی قیادت دینی کو تسلیم کیا گیا۔خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز کی علمی خدمات نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا اور آپ کی قیادت میں علم حدیث کے فروغ نے ارتقاء کے مراحل طے کئے۔اس مبارک خاندان کے پروردہ علماء مثلاً حضرت شاہ اسحاق اور مولانا مملوک علی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اور انیسویں صدی کے دوسرے بزرگان دین کے ذریعہ ہی علوم دینیہ کو عوام میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ سب خاندان ولی اللہی کے فیض یافتہ تھے۔برصغیر کے قریباً تمام سنی مسالک کیا بریلوی اور کیا دیوبندی، کیا سلفی اور کیا وہابی سب حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے خانوادہ سے مذہبی اور دینی عقیدت رکھتے ہیں اور اسی چشمہ علمی کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصلاحی تحریک کو حضرت شاہ اسماعیل شہید جو حضرت شاہ صاحب کے پوتے تھے اور حضرت سید احمد بریلوی شہید نے ایک نیا رنگ دیا۔ان دونوں بزرگوں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی تحریک چلائی۔اور مختلف علاقوں میں اپنے داعی بھیجے، رضاکاروں کو جمع کیا، مالی امداد کا انتظام کیا اور ایک لمبا فاصلہ طے کرکے سندھ اور افغانستان کے راستے صوبہ سرحد پہنچے اور سکھوں سے جنگ کا آغاز کیا لیکن بوجوہ ناکامی ہوئی اور دونوں بزرگ اور ان کے بہت سے ساتھی بالاکوٹ ضلع ہزارہ کے مقام پر شہید ہوگئے۔ اس ناکامی کی بڑی وجہ مقامی لوگوں کا عدم تعاون اور سپلائی کے مراکز کی ابتری اور دوری تھی۔بعض فقہی مسائل کا عملی اختلاف بھی خلفشار کا باعث بنا کیونکہ یہ دونوں بزرگ اور ان کے اکثر ساتھی سلفی یعنی اہل حدیث تھے اور مقامی پبلک حنفی المسلک تھی۔دوسری

وجوہات کے علاوہ اس وجہ سے بھی مجاہدین مقامی لوگوں کا تعاون حاصل نہ کر سکے اور سکھ حکومت کے ایجنٹوں کی سازش کامیاب رہی۔

چونکہ مسلم معاشرہ کا تنزل عالمگیر تھا دوسرے مقامی اصلاحی کوششیں بھی ہمہ پہلو نہ تھیں۔ تیسرے بعد کی قیادت بڑی حد تک صالح سیاست سے بالکل عاری ہوگئی تھی اور صرف تشدد بلا استعداد و تیاری کو ذریعہ کامیابی سمجھ لیا گیا تھا ان وجوہات کے باعث یہ اصلاحی تحریک مؤثر نتائج حاصل نہ کر سکی اور بے اثر ہو کر رہ گئی۔ یہ لوگ بڑے مخلص تھے اور جذبہ ایثار بھی رکھتے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ مسلم معاشرہ کا زوال رک جائے اور اسلام کو فروغ ملے اور اس کے لئے قربانیاں بھی پیش کی گئیں لیکن کامیابی نہ ہوئی اور نہ مسلم معاشرہ کا زوال رک سکا۔ یہ صورت حال دراصل اس طرف اشارہ تھا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کو روکنے اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک بالکل نئے انداز کی عالمگیر اصلاحی تحریک کا آغاز ہو کیونکہ اتنے نیک اور مخلص عناصر جب جہاد بالسیف کی مساعی میں ناکام رہے تو اس کے صاف معنے یہ تھے کہ دین کے فروغ کے لئے اب یہ ذریعہ نہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہے اور نہ اس کے ہاں مقبول اور نہ اس کے لئے وسائل مسلمانوں کو اس کے حضور سے مہیا ہونگے اور اس راہ میں جو بھی کوششیں ہونگی وہ سب ناکامی کا منہ دیکھیں گی ۔کیونکہ اب خدا یہ نہیں چاہتا بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو پھر سے مسلمان بنایا جائے اور اس دور کا آغاز ہو جو قدیم سے مقدر تھا یعنی ۔

چوں دور خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

انیسویں صدی میں بہائی تحریک کا آغاز ہوا لیکن اسلام کی کسی خدمت کی بجائے وہ اسلام کے منسوخ ہو جانے کا دعویٰ لے کر اٹھی اور اپنے مسلک اور نام ہر دو لحاظ سے اسلام اور مسلمانوں سے دور چلی گئی۔

انیسویں صدی میں ہی برصغیر پاک و ہند میں آزاد خیالی اور مختلف مذاہب کے درمیان بحث ومباحثہ کے دور کا آغاز ہوا۔اس وقت انگریز سارے ہندوستان پر قابض ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت بکلی نکل چکی تھی اور عیسائیت کی تبلیغ کا زور تھا۔دوسری طرف مغربی فلسفہ دہریت کے فروغ کا باعث بن رہا تھا اس صورت حال میں ہندوؤں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ برہموسماج اور آریہ سماج کی تحریکات کو فروغ ملا۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے بے حد نازک تھا۔ نئی حکومت مسلمانوں سے بدظن تھی۔ ہندو بھی پرانے بدلے چکانے کے لئے پرتول رہے تھے۔

سرسید احمد خان کی نیچرل تحریک

مسلم رہنماؤں میں سے سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء) نے اس نازک دور میں اپنے دائرہ کار اور رجحان طبع کے لحاظ سے اصلاح احوال کی قابل قدر کوشش کی۔ان کی اس تحریک کا یہ اثر خاصہ نمایاں رہا کہ اس علاقہ کے مسلمانوں کا ایک مؤثر طبقہ نئے علوم اور مغربی انداز بود و باش اصول حکمرانی اور نئے سیاسی انداز سے روشناس ہوا۔ تاہم یہ تحریک نہ تو عالمگیر تھی اور نہ ہمہ پہلو۔اس تحریک کا مذہبی پہلو تو خاصہ کمزور اور مرعوبیت زدہ تھا۔ اس وجہ سے بحیثیت مجموعی اس تحریک سے ملت اسلامیہ کے مصائب میں کوئی خاص کمی نہ آسکی۔اس سلسلہ میں قدامت پسند علماء کی شدید مزاحمت کا بھی انہیں سامنا کرنا پڑا۔ان کی مخالفت کا یہ انداز خاصہ زوردار تھا کہ سرسید احمد خان دینی علوم کے ماہر نہیں اس لئے جو کچھ دین کے بارہ میں انہوں نے لکھا ہے اس کی عقلی اور نقلی بنیادیں بے حد کمزور ہیں۔ اور اس سے ذہنی انتشار اور فکری تذبذب کے سوا کوئی اور مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بہرحال سرسید مرحوم نے دینی مسائل کے بارہ میں جو کچھ لکھا اور جسے مولانا حالی نے مرتب کیا اس کا خلاصہ کچھ اسطرح ہے۔

سرسید احمد خان کے دینی نظریات

اجماع اور قیاس حجت شرعیہ نہیں ہیں اور نہ یہ تشریع کے مسلمہ مأخذ ہیں۔صحاح ستہ کی احادیث تنقید سے بالا نہیں اور نہ ان سے کسی دینی مسئلہ کا استنباط واجب التسلیم ہے۔ اسطرح اگر کسی حدیث سے اسلام پر اعتراض وارد ہوتا ہو تو اسلام اس کا جوابدہ نہیں ہے۔

بائبل میں تحریف لفظی کا دعویٰ درست نہیں ہاں تحریک معنوی ممکن ہے۔ جو مسائل قرآن وسنت میں بالتصریح مذکور نہیں ان میں ہر سمجھدار اجتہاد کر سکتا ہے۔ وضع ولباس میں تشابہ بالغیر قابل اعتراض نہیں۔ جبر وقدر اور تقدیر خیر وشر کا عقیدہ جزو ایمان نہیں۔قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے کسی معجزہ کا ذکر نہیں۔اسی طرح انبیاء کے جن معجزوں کا ذکر ہے وہ بھی دراصل استعارے ہیں۔قرآن کریم کا اعجاز معنوی ہے لفظی نہیں۔کوئی بات خارق عادت یا خلاف فطرت وقوع پذیر نہیں ہو سکتی اس لئے معجزہ کا تصور غلط ہے اور معجزہ کو دلیل نبوۃ قرار دینا بھی بے اصل ہے۔ ملائکہ مختلف فطری قوتوں کے نام ہیں۔شیطان اور ابلیس سے مراد نفس امارہ ہے۔آدم اور ابلیس کا قصہ تمثیل ہے اس کی کوئی واقعی تاریخی حیثیت نہیں۔قرآن میں مذکور جنوں سے مراد گرانڈیل پہاڑی وحشی اقوام ہیں۔وحی نبی کے قلبی واردات کا نام ہے باہر سے کوئی چیز نازل نہیں ہوتی۔

صفات باری، صور کا پھونکا جانا، حشر ونشر، حساب وکتاب، میزان وصراط، جنت ودوزخ سب استعارے اور تمثیل ہیں۔ رؤیت باری نہ اس دنیا میں ممکن ہے

اور نہ آخرت میں ۔معراج اور شق صدر کے واقعات دراصل خواب تھے بیداری کی حالت کا کوئی واقعہ نہ تھا۔مختلف جنگوں میں فرشتوں کے نزول کا جو ذکر قرآن کریم میں ہے یہ دراصل غیر معمولی نصرت الٰہی کے نزول سے استعارہ ہے۔ شہداء کی زندگی سے مراد دنیا میں نیک اور قابل تقلید مثال چھوڑ جانا ہے۔حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونے کا عقیدہ درست نہیں۔حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کی عمر یاً س کی حد سے متجاوز نہ تھی ان کی عمر ایسی ہی تھی جس میں عورتیں بالعموم بچہ جننے کے قابل ہوتی ہیں۔دعا صرف عبادت ہے۔ حصول مقاصد کے لئے اس کی تاثیر غیر مسلم ہے اصل چیز صرف صحیح تدبیر ہے۔چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹ دینا ضروری نہیں۔انسان جس کے حق میں چاہے جتنی چاہے وصیت کرسکتا ہے۔نہ وارث کے حق میں وصیت منع ہے اور نہ ساری جائیداد کی منع ہے۔ روزہ کی بجائے فدیہ ایک عمومی سہولت ہے۔موجودہ بینکنگ کی طرز پر لین دین ربا نہیں۔سود وہی منع ہے جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا۔قرآن کریم کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔تقلید ذہنی جمود اور عقلی تعطل کا نام ہے اس لئے اسے واجب قرار دینا غلط ہے۔قرآن کریم کے احکام کی دو قسمیں ہیں۔اصلی احکام اور محافظ احکام۔اصلی احکام ہمیشہ قانون فطرت کے مطابق اور غیر متبدل ہوتے ہیں محافظ احکام کا قانون فطرت کے مطابق ہونا ضروری نہیں اور نہ ہر حال میں ان کی پابندی لازم ہے۔مثلاً نماز میں اصل حکم توجہ الی اللہ ہے۔ طہارت، غسل، وضو، توجہ قبلہ، رکوع، سجدہ، قعود محافظ احکام ہیں۔ان کی پابندی ہر حال میں ضروری نہیں۔نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے اس طرح اگر وہ پرندہ کو گلا گھونٹ کر مار دیں تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔جو غیر مسلم مسلمانوں سے زیادتی نہیں کرتے ان کے جان و مال کے دشمن نہیں اور نہ ان کو ان کے وطن سے نکالتے ہیں ان سے موالات اور تعلقات استوار کرنے کی اجازت ہے۔صرف انہی کفار سے تعلقات رکھنے کی ممانعت ہے جو ظلم کی راہ اختیار کرتے ہیں اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں۔ہر قائم اور قانون کی پابند حکومت کی اطاعت ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰؑ صلیب سے زندہ اتار لئے گئے تھے اور وہ طبعی موت مرے، زندہ آسمان پر نہیں گئے اور نہ دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے۔مسیح کے نزول کا عقیدہ غلط ہے۔ (حیات جاوید صفحہ ۵۲۴ تا ۵۲۶ مولانا الطاف حسین حالی ناشر نیشنل بک ہائوس ایبک روڈ لاہور)

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ دینی مسائل میں سرسید احمد خان صاحب کا رجحان اہل السنّت والجماعت کی بجائے معتزلہ کی طرف زیادہ تھا۔

تحریک اتحاد عالم اسلامی

سرسید کی نیچرل یا آزاد خیالی کی تحریک کے ہم عصر ایک اور تحریک کے نشان بھی تاریخ کے صفحات میں ملتے ہیں یہ پان اسلام ازم یا اتحاد عالم اسلامی کی تحریک تھی۔جس کے روح رواں سید جمال الدین افغانی، مصر کے مفتی محمد عبدہ اور ترکی کے حلیم پاشا تھے۔اس تحریک کا رخ زیادہ تر منفی سیاست کی طرف تھا اس لئے یہ تحریک استعماری اقوام کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارنے تک محدود رہی اور کوئی قابل ذکر تعمیری کارنامہ سرانجام نہ دے سکی اور نہ مسلمانوں کی سیاسی تربیت کا فریضہ نباہ سکی۔

تحریک رابطہ عالم اسلامی

یہ ادارہ دراصل تحریک اتحاد عالم اسلامی کا ایک طرح کا مثنیٰ ہے اس لئے اپنے اصل کی طرح اس کا کام بھی سرتاسر منفی انداز کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اتحاد عالم اسلامی کی مجلس کا کام استعماری طاقتوں کے خلاف نفرت کو فروغ دینا تھا اور رابطہ عالم اسلامی کی جمعیت کا کام اپنوں کے خلاف نفرت ابھارنا ہے۔یوں لگتا ہے جیسے خدمت اسلام سرانجام دینے والے دردمند مخلص اور دیندار مسلمانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے کے سوا اور کوئی مقصدِ تنظیم ہی نہیں اور نہ اسے یہ فکر دامنگیر ہے کہ عالمی کمیونزم مغربی استعمار کے غیر اسلامی فلسفے اور اس کی سازشیں، اس کے مادی علوم، اس کی محیر العقول صنعتی کامیابیاں، اس کی قارون کو مات دینے والی اقتصادی پالیسیاں یہ سب عناصر ملکر عالم اسلام کو کس قدر نقصان پہنچا رہے ہیں، کس طرح مسلمانوں کو کھائے جا رہے ہیں، ان کو تقسیم کر کے آپس میں کس طرح لڑا رہے ہیں اور ان کے بے پناہ قدرتی وسائل کو بارود اور آگ بنا کر خود انہی کے ہاتھوں تباہ کروا رہے ہیں۔لیکن اس حمایت پر ان کو متوجہ کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کسی عالمی اثر رکھنے والی ہمہ پہلو آگاہ مؤیدمن اللہ عقلمند روحانی قیادت کی انہیں تلاش وتمنا ہے۔بس آپس کی نفرتوں کو فروغ دینا اور خود اپنے ہاتھوں اتحاد اور یگانگت کے تقاضوں کو سبوتاژ کرنا ان کا مقصد تنظیم ہے۔ اسی کا نام ہے برعکس نہند نام زنگی کافور۔

تحریکِ انکارِ حدیث

مولوی عبداللہ چکڑالوی، حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری اور غلام احمد پرویز، سرسید احمد خان صاحب کا بحیثیت مأخذ شریعت حدیث کے بارہ میں جو رویہ تھا اس سے انکار حدیث کے رجحان کو فروغ ملا۔ چنانچہ اہل قرآن اسی رجحان کی پیداوار ہیں۔ اس تحریک کے روح رواں مولوی عبداللہ چکڑالوی جامعہ ملیہ کے پروفیسر حافظ محمد اسلم جیراجپوری اور رسالہ طلوع اسلام کے غلام احمد پرویز تھے۔ان میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز طرز عمل مولوی عبداللہ چکڑالوی کا تھا۔ان کے نزدیک حدیث کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ان کا مؤقف یہ تھا کہ مسائل اسلام کو سمجھنے کے لئے حدیث کی کوئی ضرورت نہیں صرف قرآن ہی کافی ہے۔لیکن جب وہ اپنے اس دعویٰ کی تفصیلات میں الجھے تو انتہائی بودے استدلال اور دور کی کوڑی لانے کی راہ پر چل نکلے۔ نمازیں پانچ کی بجائے تین رہ گئیں۔یہی حال روزہ، حج اور دوسرے مسائل کا ہوا۔

جامع ملّیہ کے پروفیسر حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے مولوی عبداللہ چکڑالوی کے کمزور پہلو کو بھانپتے ہوئے انکار حدیث کے نظریہ میں کچھ ترمیم کی اور یہ خیال پیش کیا کہ مسائل عبادات کے تعیین کے لئے تو قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے ''عمل متواتر'' کی پابندی ضروری ہے۔ باقی دینی مسائل کے تعین کے بارہ میں حدیث کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان مسائل کا فیصلہ ہر زمانہ کا ''مرکز ملت'' کرے گا۔

رسالہ طلوع اسلام کے غلام احمد صاحب پرویز نے اس نظریہ میں مزید ترمیم کی۔ان کی رائے میں دین اور دنیا عبادات اور معاملات کی تفریق غیر اسلامی اور عجمی سازش ہے اس لئے مسئلہ عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے اگر قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں ملتی تو اس کا تعین ہر زمانہ کا ''مرکز ملت'' کرے گا۔آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی روشنی میں جو تفصیلات طے فرمائیں وہ بحیثیت ''مرکز ملت'' کے ہی طے فرمائی تھیں۔یہی مقام خلفائے راشدین کا تھا اور پھر اسی مقام اور اسی اختیار کا حامل ہر زمانہ کا ''مرکز ملت'' ہے۔وہ چاہے تو سابقہ سنت و دستور کو قائم رکھے اور چاہے تو زمانہ کے تقاضہ کے مطابق اس میں تبدیلی کرے۔ اس لحاظ سے پرویز صاحب کے نزدیک احادیث کی حیثیت تاریخی ہے دینی نہیں کہ طابق النعل بالنعل کے طور پر ان کی اتباع ضروری ہو۔

علامہ سر محمد اقبال کا موقف

حدیث کی دینی حیثیت کے بارہ میں علامہ سر محمد اقبال کا موقف مولانا عبیداللہ سندھی اور حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کے موقف سے ملتا جلتا ہے۔وہ ''میدان اجتہاد'' کی اس وسعت کے قائل تو نہیں جس کے داعی غلام احمد صاحب پرویز ہیں لیکن اخبار احاد کی شرعی حیثیت ان کے ہاں بھی مشتبہ ہے۔ علامہ مرحوم نے اپنے اس مؤقف کی وضاحت کے لئے'' ثبات وتغیر'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یعنی ایمانیات اور عبادات سے متعلق جو اصول قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ نے بذریعہ سنت متواترہ کھول کر بیان کردئے ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں البتہ دوسرے مسائل میں اجتہاد کا میدان وسیع اور آزاد ہے۔کوئی حدیث اس وسعت کو محدود نہیں کرسکتی اس لئے ان مسائل میں اجتماعی اجتہاد کے ادارے تبدیلیاں کرسکتے ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک مسائل دینیہ کا ایک حصہ'' ثبات'' کے دائرہ کے اندر ہے اور دوسرا حصہ تغیر وتبدل کی آماجگاہ ہے جسے اصول دین کا سا تقدس اور ثبات حاصل نہیں۔جہاں تک تفاصیل کی ترتیب اور عملی اقدامات کا تعلق ہے چند فلسفیانہ تجاویز اور آراء کے سوا علامہ اقبال بھی کوئی تنظیمی یا انقلابی کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔

نوٹ:۔ ''تجدید الٰہیات اسلامیہ'' پر علامہ کے اصل لیکچر انگریزی میں تھے جن کا ترجمہ سید نذیر نیازی صاحب نے اردو میں کیا جسے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے نام سے بزم اقبال لاہور نے شائع کیا۔

سلفی اور دیوبندی تحریکات

اٹھارھویں صدی میں محمد بن عبدالوہاب نجدی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ذریعہ تقلید کے خلاف اور حجیت حدیث کے حق میں جو تحریک چلی برصغیر میں اس سے متاثر دو اور گروہ سامنے آئے۔ایک گروہ **اہل حدیث یا وہابی** کے نام سے مشہور ہوا جو اپنے آپ کو سلفی کہلاتا تھا۔دوسرا گروہ اہل دیوبند کا تھا۔یہ دونوں گروہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو اپنا مقلد اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں تاہم اہل حدیث کا جھکاؤ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف زیادہ ہے۔اس وجہ سے اس گروہ نے افراط کی راہ اختیار کی اور احادیث کے بارہ میں ان کا رویہ سرتاسر غیر تنقیدی رہا۔ چنانچہ وہ احادیث کے غالب حصہ کو ہر قسم کی تنقید سے بالا سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے میں سابقہ محدثین نے حدیث کے سلسلہ میں جو درجے مقرر کئے یا ان کی جو تشریحات کی ہیں وہ انہی کی پیروی کریں کیونکہ یہ احادیث ہر حال میں قابل ترجیح ہیں اس لئے اگر ان میں سے کوئی حدیث بظاہر نص قرآن کے خلاف نظر آئے تو حدیث کو ترجیح ہوگی۔اور نص قرآنی کی اس کے مطابق تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ قرار دیا جائیگا۔کیونکہ اس درجہ کی احادیث قرآن پر مقدم ہیں۔ اس قسم کے تقشف، تشدد اور نجدی عصبیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ گروہ تنگ نظری میں مقلدین سے بھی بڑھ گیا۔جمود اس کا نصیبہ اور تعصب اس کا وطیرہ نظر آنے لگا جس کی وجہ سے اس کا قدم آگے اٹھنے کی بجائے بہت پیچھے جا پڑا۔

اہلِ دیوبند

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے متاثر دوسرا گروہ اہلِ دیوبند کا ہے۔مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۲ء) نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۸۶۶ء میں رکھی۔ یہ دارالعلوم برصغیر میں'' قدیم دینی علوم'' کے فروغ کا مرکز ثابت ہوا۔ علماء دیوبند نے اس لحاظ سے علم حدیث کی قابل قدر خدمات سرانجام دیں کہ ان کی کوششوں سے فقہ حنفی کی تائید کے لئے احادیث کا قابل لحاظ ذخیرہ مرتب ہوا اور انہوں نے اس نقطہ نظر سے تنقید حدیث کے معیار پر بحثیں کیں۔مختلف احادیث میں تطبیق اور توافق کے اصولوں کی وضاحت کی۔تاہم ان علماء کی کوششیں بھی ایک خاص دائرہ میں محدود رہیں۔وہ فقہ حنفی کی تائید کے دائرہ سے باہر نہ نکل سکے اور اس نقطہ نظر سے آزادی اجتہاد اور وسیع نظری کی طرف

ان کا رویہ بھی سراسر منفی انداز کا تھا۔ بعض کلامی مسائل کے بارہ میں بانی مدرسہ دیو بند مولانا محمد قاسم نانوتوی کی علمی خدمات کا انکار ممکن نہیں اس سلسلہ میں ان کی بصیرت قابل قدر اور ان کی نظر بڑی وسیع تھی۔ بہرحال دیو بندی گروہ حنفیت کی تائید کی وجہ سے برصغیر کے عوام کے ساتھ ملا جلا رہا اور اس کی طرف سے اشاعت حدیث کی کوششیں بھی خاصی مقبول رہیں اور مدرسہ دیو بند کی مرکزیت کی وجہ سے اس کے اثر کو ایک حد تک ثبات ملا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تحریک

علی گڑھ اور دیو بند کی تحریکات سے متاثر ہو کر اسی زمانہ میں ایک اور ادارہ منصۂ شہود پر ابھرا۔ یہ ادارہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی قیادت میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس ادارہ کا دعویٰ تھا کہ اس کے ذریعہ قدیم وجدید عقل ونقل دونوں اہلیتوں کے حامل علماء پیدا کئے جائیں گے تا کہ مغربی تہذیب کے طوفان کا مقابلہ کیا جا سکے لیکن چونکہ مولانا شبلی کا زیادہ تر رجحان ادب وتاریخ کی طرف تھا اس لئے یہ ادارہ تاریخ وادب کی خدمت سے آگے نہ بڑھ سکا اور فکری اور عملی لحاظ سے وہ نتائج مرتب نہ ہو سکے جس کے حصول کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

جماعت اسلامی

مذکورہ بالا علمی اور فکری تحریکات اور دوسرے فروغ پذیر فلسفہائے زندگی خاص طور پر کمیونزم سے متاثر ہو کر برصغیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی اور عرب ممالک خاص طور پر مصر میں **الاخوان المسلمون** کی تنظیموں نے جنم لیا۔ اخوان المسلمین کے قائد دراصل جماعت اسلامی سے ہی متاثر تھے۔ اس لئے یہ دونوں تنظیمیں اپنے فلسفہ اور طریق کار کے لحاظ سے ایک ہی تحریک کے دو رخ ہیں۔ برصغیر میں جماعت اسلامی کی تنظیم زیادہ تر اہل حدیث اور دیو بندی مکتبہ فکر کے افراد پر مشتمل ہے اور مذہب و سیاست کے نام پر قائم اس تنظیم کے اصل قائد بانی اور روح رواں سید ابوالاعلیٰ مودودی تھے۔ مودودی صاحب نے اسلام کے نام پر بعض معاشی، اقتصادی اور سیاسی نظریات کو ایک نئے انداز میں پیش کیا اور اپنے پرزور مضامین اور ادب کی چاشنی لئے ہوئے مقالات کے ذریعہ مغربی تعلیم یافتہ افراد کے ایک حصہ کو خاصہ متاثر کیا لیکن مودودی صاحب کے نظریات نے عملی تشکیل پائی تو اس کی شکل وصورت اتنی بھیانک اور خوفناک سامنے آئی کہ مذہب کے نام پر خون، دین کے نام پر بہتان، سچ کے نام پر کذب وافتراء اور مقصد برآری کے لئے ہر جائز وناجائز حربہ تقاضہ مصلحت بن گیا اور بالکل وہی ہولناک شکل وصورت سامنے آئی جو کارل مارکس کے حسین معاشی نظریات کی عملی تشکیل کے سلسلہ میں لینن اور سٹالن نے دنیا کو دکھائی جس کی دہشت سے سارا عالم کانپ اٹھا۔ مودودی صاحب کے فکر وعمل کے بارہ میں یہ تبصرہ کتنا برمحل اور صحیح ہے کہ سید مودودی جب خالص علمی اور فکری نقطہ نظر سے لکھتے ہیں تو بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ زور تحریر میں بڑے بڑے مفکرین کو پیچھے چھوڑ جائیں گے لیکن دوسرے وقت میں وہ اتنی جامد اور خشک ذہنیت کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں کہ قدامت پسند تنگ نظر ملاؤں کی طرح پستی کی انتہا تک جا پہنچتے ہیں۔ اس تضاد کی وجہ غالباً یہ ہے کہ فکری اور عملی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ان میں حرص اور کجی کی راہ کی طرف لے جانے والی تنظیمی صلاحیتیں بھی تھی۔ اس اجتماع ضدین نے ان کی شخصیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ حرصِ اقتدار اور سیاسی تنظیم کے تقاضے بعض اوقات انہیں جادہ حق سے بھٹکا دیتے اور وہ ہر اس ظلم وزیادتی اور بہتان تراشی کے لئے دینی جواز تلاش کر لیتے جس سے ان کے تنظیمی اور سیاسی مقاصد کو تقویت ملتی تھی اور حصول مقصد کی خاطر وہ ہر اس راہ پر چل نکلنے میں کوئی باک یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے جس کے خلاف وہ خود بڑی شد ومد سے لکھ چکے ہوتے تھے۔ طوالت کے خوف سے مثالیں پیش کرنا مشکل ہے اگر ان کی تحریرات اور ان کے نظریات اور ان کے تنظیمی اقدامات کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو جگہ جگہ انتشارِ فکر اور تضادِ عمل کے نمونے بکھرے پڑے نظر آئیں گے۔ ۱۹۴۵ء سے پہلے کے ان کے افکار اور پاکستان بننے کے بعد کے ارشادات تضاد بیانی کے نادر نمونے پیش کریں گے۔ اسی طرح بمطابق 'اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ' ...... مودودی صاحب کی تربیت یافتہ جماعت اسلامی کی موجودہ سرگرمیوں سے بھی اس قسم کے عملی اور فکری تضادات کے واضح نشان مل سکتے ہیں۔ دیدہ حق بین کی ضرورت ہے۔

بریلوی مسلک

جہاں تک عوامی توہم پرستی اور اندھی عقیدت کا تعلق ہے یہ مرض بہت پرانا ہے۔ بت پرستی اسی توہم پرستی کی شاخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نبی نے خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کا دعویٰ کیا عوام کی طرف سے ہمیشہ مخالفت کا یہ انداز سامنے آیا کہ ہماری طرح کے ایک انسان کو یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ نبی کو تو ایک مافوق البشر آسمانی ہستی ہونا چاہئے جس کی طاقتیں لامحدود ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ اس نبی کی صداقت کھلتی جاتی ہے۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، اس کا تقدس دلوں میں گھر کرتا چلا جاتا ہے اور پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد اسی نبی کے ماننے والے عوام جسے شروع میں ایک عام انسان سمجھ کر رد کر دیا گیا تھا اسے مافوق البشر طاقتوں کا مالک سمجھنے لگتے ہیں اور ان میں وہی جاہلانہ خیالات سرایت کر جاتے ہیں اور وہ اپنے اس نبی کے بارہ میں لاہوتی تصورات کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کا یہ

نبی الٰہی طاقتوں کا مالک ہے۔ وہ خدا سے سب کچھ منوا لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ روحانی تنزل تہذیبی گراوٹ اور سیاسی زوال اور عملی تکاسل کے بعد جبکہ قوائے عملیہ کمزور پڑ جاتے ہیں اور تن آسانی اور تمناؤں کی بیماری قبضہ جما لیتی ہے تو عوام تو عوام علماء کہلانے والے بھی انہی جاہلانہ لاہوتی تصورات میں کھو جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض مفاد پرست دینی رہنماؤں نے اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا اور مسلم عوام کے لئے ایسے جاہلانہ خیالات کو دین کا حصہ بنا دیا جن کا کتاب وسنت میں نشان تک نہیں ملتا۔ اس طرح توہم پرستی اور اندھی عقیدت نے عالمگیر وبا کی صورت اختیار کر لی اور ہر علاقہ کے مسلم عوام اِلّا ما شاء الله اس وہمی مرض کے شکار ہو گئے۔

برصغیر ہندو پاک میں ان غیر اسلامی جاہلانہ تصورات نے بریلی کے ایک بزرگ مولانا سید احمد رضا خان صاحب (۱۸۵۶ء) کے ذریعہ خوب فروغ پایا۔ اسی وجہ سے ان علاقوں میں اس قسم کا مسلک رکھنے والے عوام ''بریلوی'' کے نام سے مشہور ہیں اور برصغیر کے خانقاہی سلسلے بھی زیادہ تر انہی نظریات سے منسلک ہو گئے ہیں اور ''سواد اعظم'' یعنی سنیوں کی غالب اکثریت کی قیادت کے دعویدار بن کر سامنے آئے ہیں۔ بہرحال بریلوی علماء اور خانقاہی صوفیاء ایک عرصہ سے مندرجہ ذیل عقائد و رسوم کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔

رسول کریم ﷺ مافوق البشر طاقتوں کے مالک ہیں۔ آپ نور محض ہیں۔ آپ نور سے پیدا ہوئے جبکہ دوسرے لوگ مٹی سے پیدا ہوئے۔ آپ کا سایہ نہیں تھا۔ آپ کے پسینہ میں عطر کی سی خوشبو تھی۔ آپ کی نظیر ممکن نہیں۔ آپ عالم الغیب ہیں۔ خدا تعالیٰ کے علم اور آپ کے علم میں صرف اتنا فرق ہے کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور آپ کا علم خدا کا عطا کردہ ورنہ کمیت و کیفیت کے لحاظ سے دونوں علم میں کوئی فرق نہیں۔ آپ حاضر و ناظر ہیں۔ سب جگہ موجود اور سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ آپ لوگوں کی پکار کو سنتے ہیں اور ان کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ میلاد کی مجالس میں جب درود وسلام پڑھا جاتا ہے تو آپ خصوصیت کے ساتھ اس مجلس میں رونق افروز ہونے کے لئے تشریف لے آتے ہیں۔ اس لئے آپ کی پیشوائی اور احترام کے لئے سب حاضرین مجلس کو کھڑا ہو جانا چاہئے۔ آپ فوت نہیں ہوئے۔ آپ کے فوت ہو جانے کے صرف اسی قدر معنے ہیں کہ آپ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں ورنہ حیات جسمانی کے لحاظ سے آپ پہلے کی طرح زندہ ہیں۔

بارہ ربیع الاول کو عید میلاد اور ستائیس رجب المرجب کو معراج شریف کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے مشہور اولیاء الله کے عرس بھی بڑے زور وشور سے منائے جاتے ہیں۔ اولیاء کی کرامات بے حد وحساب ہیں۔ غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی 'شیئاً لله' کے ورد سے سب حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ آپ کی گیارھویں دینے میں بڑی برکات مضمر ہیں۔

دوسرے بزرگ بھی بڑی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ بے اولادوں کو اولاد عطا کرتے ہیں۔ بے وسیلوں کا وسیلہ ہیں، بے روزگاروں کے کارساز اور ان کے حاجت روا ہیں۔ اس لئے ان کی چوکھٹ پر حاضری دینا، ان کے مزارات پر سلام کے لئے جانا، ان کو پکارنا، ان کے وسیلہ سے دعائیں کرنا، ان کے مزارات پر چلہ کشی کرنا۔ یہ سب کام وصال الٰہی کا ذریعہ اور نجات ابدی کی کلید ہیں۔ اسی طرح نماز میں تصور شیخ، روحانی ترقی اور قبولیت عبادت کا باعث ہے۔ قبر پر سجدہ تعظیمی میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ شرک ہے۔

بریلوی حضرات فاتحہ خوانی، قل، چہلم، ختم قرآن مجید، نذر و نیاز اور مزارات پر طرح طرح کے چڑھاوے چڑھانے پر بھی بہت زور دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا جب نام مبارک لیا جائے تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانے کو ادب وثواب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اذان ونماز کے بعد ذکر جہری اور آجکل اس کے لئے لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کے دلدادہ اور اسے اپنا دینی حق سمجھتے ہیں۔

غرض بت پرست قومیں جو کچھ اپنے بتوں کے استھانوں پر کرتی ہیں وہی کچھ یہ لوگ اپنے بزرگوں کی مزارات پر کرتے ہیں۔ روح ایک ہے صرف نام اور انداز میں فرق ہے یعنی بزرگوں کے بتوں، مجسموں اور ان کی یادگاروں کے سامنے اگر یہ کام کئے جائیں تو یہ شرک ہے لیکن اگر یہی کام مزارات اور خانقاہوں میں سرانجام دئے جائیں تو عین اسلام ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی بحالی سے متعلق تحریکات

جن استعماری طاقتوں کے ہاتھوں عالمگیر مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا ان کی دو قسمیں ہیں:

تغلب اور آمریت پسند طبیعت رکھنے والی استعماری طاقتیں جیسے روسی طاقت یا بعض اور آمریت پسند حکومتیں قانون پسند طبیعت رکھنے والی استعماری طاقتیں جیسے برطانیہ، فرانس اور امریکہ وغیرہ۔ پہلی قسم کی طاقت نے جن اسلامی حصوں پر تسلط جمایا۔ جیسے روسی ترکستان، منگولیا اور چین کے بعض مسلم علاقے وہاں مذہبی آزادی کی تحریک آج تک پنپ نہیں سکی اس لئے ان علاقوں میں کسی مسلم قیادت کے ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اصلاح امت کی کسی تحریک کا وہاں نام ونشان ملتا ہے۔

دوسری قسم کی استعماری طاقتوں کے تسلط میں رہنے والے مسلمانوں میں سیاسی تحریکات اٹھیں اور آہستہ آہستہ انہوں نے فروغ حاصل کیا لیکن ان تحریکات کا رجحان چونکہ سرتاسر منفی انداز کا تھا سارا زور استعماری طاقتوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے پر صرف کیا گیا یہاں تک کہ جوش مخالفت میں قومی، علمی اداروں کو نقصان تک پہنچایا گیا۔ لوگوں سے سول ملازمتیں چھڑوائی گئیں۔ گویا ان کے مالی وسائل کو تباہ کیا گیا، تحریک سول نافرمانی اور تحریک ہجرت میں مسلم عوام سے یہی کچھ کروایا گیا جبکہ ہندو برادران وطن کا ہر قدم قوم کے وسائل بہبود کی طرف اٹھتا تھا۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ان قومی نقائص اور عیوب کے دور کرنے کے سلسلہ میں کوئی تعمیری کارنامہ سرانجام نہ دیا جا سکا جو مسلم زوال کا اصل باعث تھے۔ نہ قومی اخلاق کی تعمیر کے طاقتور ادارے قائم ہوئے۔ نہ نئے علوم کے فروغ کے بصیرت افروز مرکز ابھرے۔ نہ اقتصادی حالات درست کرنے کی طرف کوئی مضبوط قدم اٹھا۔ نہ قومی نظم ونسق اور اجتماعی تنظیم وتربیت کی جاندار کوششیں ہو سکیں اور نہ ایثار وقربانی کے تسلسل اور بےغرضی اور بےنفسی کے تعہد کے لئے قوم کو کوئی سبق ملا۔ اس صورت حال کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ جاندار سیاسی تحریکات کے نتیجہ میں آزادی تو بے شک مل گئی غیر ملکی استعمار کا خاتمہ تو ہوا لیکن تشکیل حکومت کے اصولوں اور ووٹ کے استعمال کرنے کی قدر وقیمت سے عوام چونکہ ناواقف تھے اس لئے جمہوری ذرائع کے طفیل آزادی حاصل کرنے کے باوجود جمہوریت کی افادیت کو بھلا دیا گیا اور مسلم معاشرہ بدیسی حکومت کے تسلط سے نکل کر دیسی مفاد پرستوں اور انارکی کے دلدادہ خودغرضوں کے چنگل میں پھنس کر رہ گیا جنہیں نہ حکومت کے اصولوں سے کچھ واسطہ اور نہ عدل عمرانی اور جمہوری اقدار سے کوئی تعلق۔ وہ اپنے مفاد اور اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے ہر ظلم روا رکھتے ہیں اور اپنے اقتدار کو استحکام اور دوام بخشنے کے لئے کسی حربہ کو کام میں لانے سے نہیں چوکتے۔ نام جمہوریت کا لیتے ہیں اور رویہ پرلے درجہ کی ظالمانہ آمریت کا اپناتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی پہلے سے بھی زیادہ دکھی ہے اور بے رحم آمریت کے چنگل میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ فروغ علم وفن، ترقی صنعت وحرفت، اقتصادی بحالی اور قومی اتحاد کا جذبہ تو دور کی بات ہے، عام پبلک تو اپنے بنیادی حقوق تک سے محروم ہے اور ہر قسم کے استحصال کا شکار بنی ہوئی ہے۔ موازنہ کر کے دیکھئے جاپان جنگ میں ہار گیا۔ مغربی جرمنی تباہ ہوا لیکن چند سالوں میں ہی اقتصادی اور صنعتی ترقی کے لحاظ سے دونوں ملک فاتح اقوام کو بھی مات دینے لگے۔ اس کے بالمقابل افغانستان شروع سے آزاد رہا۔ سعودی عرب کسی بدیسی حکومت کے زیر فرمان نہیں رہا۔ ٹرکی اور ایران بھی بڑی حد تک خود مختار رہے لیکن کسی ملک نے نہ علم وفن میں کوئی مقام پیدا کیا اور نہ صنعت وحرفت میں کوئی نام حاصل کر سکا۔ یہی حال دوسرے آزاد ہونے والے مسلم ممالک کا ہے۔ غور فرمایئے کیا بلحاظ علم وفن کیا بلحاظ صنعت وحرفت اور کیا بلحاظ اقتصاد ومعاش اقوام عالم میں کسی مسلم ملک کا کوئی مقام ہے؟ حالانکہ جہاں تک مالی وسائل کا تعلق ہے کئی مسلم ممالک اس دولت سے مالا مال ہیں لیکن اپنی بے تدبیریوں اور عیش پرستیوں کے ہاتھوں خود اپنے وسائل سے محروم ہیں اور دوسرے ان کے وسائل سے ترقیات حاصل کر رہے ہیں۔ اور خود مسلم ممالک یا تو اپنی دولت عیش پرستیوں میں تباہ کر رہے ہیں یا پھر آپس کی دشمنیوں اور جنگوں میں غارت کر رہے ہیں۔ اور آزاد ہونے کے باوجود نہ انہیں عالم اسلام کے زوال کی فکر ہے اور نہ دین کے مصائب کی۔

کب پیٹ کے دھندوں سے۔ مسلم کو بھلا فرصت
ہے دین کی کیا حالت۔ یہ اس کی بلا جانے
جو جاننے کی باتیں تھیں۔ ان کو بھلایا ہے
جب پوچھیں سبب کیا ہے کہتے ہیں خدا جانے

(کلام محمود)

اور ان کا حال ایک مدت سے غالب کے اس شعر کے مطابق ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ابھی راہبر کو میں

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۵ ردسمبر ۱۹۹۷ء تا ۱۱ ردسمبر ۱۹۹۷ء)

☆......☆......☆......☆

www.alislam.org/urdu

☆......☆......☆......☆